ملک صفدر حیات (سیریز نمبر 29)
چراغ خانہ
(تحریر حسام بٹ)
عقیل قریشی - یاسر حسنین
محمد سجاد بھٹی
سسپنس ڈائجسٹ : فروری 2000

اُس شخص کا قصہ جسے رقابت اور ہوس زر نے اندھا کر دیا تھا

ملک صفدر حیات

مُصیبت کبھی بتا کر نہیں آتی مگر کچھ لوگ مُصیبت کو خود دعوت دے کر بلاتے ہیں اُن کا خیال ہوتا ہے کہ وہ اپنی تدبیر سے پیش آمدہ مصائب کا تدارک کر لیں گے، مگر وہ بھول جاتے ہیں کہ تدبیر کند بندہ تقدیر کند خندہ.....اس ضرب المثل کی عکاسی کرتا ملک صاحب کی ڈائری سے عبرت اثر ماجرا۔

چودھری نیاز علی کے قتل نے تہلکہ ڈال دیا تھا!

واردات کی اطلاع ملتے ہی میں نے چند سپاہیوں کو ساتھ لیا اور چودھری نیاز علی کی حویلی میں پہنچ گیا۔ موسم سرما کی آمد آمد تھی۔ صبح میں اچھی خاصی خنکی ہو جاتی تھی، یہی حال شام کا بھی تھا۔ سرشام ہی ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگتی تھیں۔ جس وقت ہم حویلی میں پہنچے، دھوپ پوری طرح پھیل چکی تھی۔ میری گھڑی ساڑھے دس کا وقت بتا رہی تھی۔ چودھری کے قتل کی اطلاع اس کے چھوٹے بھائی چودھری اکرم علی نے دی تھی۔ وہ اس وقت بھی میرے ساتھ ہی تھا۔

میں نے حویلی میں داخل ہوتے ہی اس کمرے کا رخ کیا جہاں چودھری نیاز علی کو قتل کیا گیا تھا۔ وہ کمرا درحقیقت چودھری نیاز علی کی خواب گاہ تھا۔ مجھے بتایا گیا کہ مقتول چودھری اپنی تیسری نوجوان بیوی نازلی کے ساتھ حویلی کے اس حصے میں رہتا تھا۔ نازلی سے مقتول چودھری کی شادی کو نو دس ماہ سے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔ بوقتِ قتل چودھری نیاز علی اپنی زندگی کی پچپن ویں سیڑھی پر قدم رکھ چکا تھا۔

میں نے فی الفور جائے وقوعہ کا تفصیلی معائنہ کیا۔ چودھری نیاز علی کی لاش مسہری پر اس طرح پڑی تھی جیسے وہ بڑے اطمینان سے سو رہا ہو۔ میں نے لاش کے اوپر پڑی سفید چادر کو ہٹایا اور بغور لاش کا جائزہ لینے لگا۔ کسی تیز دھار آلے کو بڑے بھرپور انداز میں چودھری کی گردن پر آزمایا گیا تھا۔ اس کی شہ رگ کٹی ہوئی تھی اور بستر کا بالائی حصہ خون آلود تھا۔ مسہری کی چادر پر پھیلے خون سے اندازہ ہوتا تھا کہ چودھری کو زندگی کی قید سے آزاد ہوئے آٹھ دس گھنٹے گزر چکے تھے۔

میں نے چھوٹے چودھری اکرم علی کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا "لاش کے اوپر چادر کس نے ڈالی تھی؟"

"میں نے ڈالی تھی جناب!" اکرم علی کے بجائے ایک ادھیڑ عمر عورت نے جواب دیا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا، وہ مقتول چودھری کی زوجہ اول، جمیلہ تھی۔ اس کی عمر لگ بھگ چالیس سال تھی۔

میں جمیلہ کی جانب متوجہ ہو گیا "لاش کو سب سے پہلے کس نے دیکھا تھا؟"

"میں نے ہی دیکھا تھا جناب!" وہ روہانسی ہو رہی تھی۔

"کیا تم بھی حویلی کے اسی حصے میں رہتی ہو؟"

اس نے نفی میں جواب دیا "میں اپنے بچوں کے ساتھ حویلی کے دوسرے حصے میں رہتی ہوں۔ ادھر تو چودھری صاحب اپنی چھمک چھلّو کے ساتھ رہتے تھے۔"

"کون چھمک چھلّو؟"

چودھری اکرم علی نے جواب دیا "بھائی صاحب کی تیسری بیوی جناب!"

"اوہ!" اچانک مجھے کچھ یاد آگیا۔ میں نے فوراً پوچھا۔ "چودھری صاحب کی تیسری بیوی نازلی نظر نہیں آرہی، وہ کہاں ہے؟"

"وہ تو غائب ہو گئی ہے جناب!" جمیلہ نے بتایا۔

"کیا مطلب؟"

"اس کا کچھ پتا نہیں، کہاں چلی گئی ہے" چودھری اکرم علی نے جواب دیا۔

جمیلہ نے کہا "کوٹھے والیوں کا کیا بھروسا۔ مجھے تو پورا شک ہے کہ چودھری صاحب کے قتل میں اسی چھمک چھلّو کا ہاتھ ہے۔"

جمیلہ نے نازلی کو کوٹھے والی کہا تھا۔ میرے اندر تجسس جاگا۔ میں نے چونک کر پوچھا "کیا نازلی کا تعلق بازارِ حسن سے تھا؟"

"آہو جی، چودھری صاحب اسے وہیں سے اٹھا کر لائے تھے۔" جمیلہ نے اپنی سوکن کے بارے میں لب کشائی کرتے ہوئے بتایا "فتنہ تھی، فتنہ۔ کسی ماچس سے کم نہیں تھی۔ پوری حویلی میں اس اونتری نے آگ لگا رکھی تھی۔ نغمہ بے چاری کو بھی اسی ڈائن کی وجہ سے طلاق ہوئی۔ میں نے چودھری صاحب کو بہت سمجھایا تھا کہ اس بازار میں جا کر جو جی

چاہے کرتے پھریں مگر وہاں کی گندگی کو اٹھا کر گھر میں نہ لائیں لیکن انہوں نے کبھی کسی کی سنی تھی جو میری سنتے۔ نازلی نے حویلی میں قدم رکھا ہی تھا کہ نئے نئے فساد جنم لینے لگے۔ پہلے نغمہ کو طلاق ہوئی اور اب چودھری صاحب۔۔۔" جمیلہ کی آواز بھرا گئی اور وہ خاموش ہو گئی۔

میں نے چودھری اکرم علی سے سوال کیا "تمہارے خیال میں نازلی کہاں جا سکتی ہے؟"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں جناب!" وہ نرم لہجے میں بولا "میری تو سمجھ میں ہی نہیں آ رہا کہ یہ سب ہو کیا رہا ہے۔"

میں نے باری باری جمیلہ اور اکرم علی کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "آپ لوگوں نے نازلی کو کہیں تلاش کرنے کی کوشش کی بھی کی ہے؟"

"ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے اسے تلاش کرنے کی" جمیلہ نے اکھڑے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

چودھری اکرم علی نے کہا "جناب! سچی بات تو یہ ہے کہ ابھی تک ہم اپنے حواس میں ہی نہیں ہیں۔ کچھ سمجھ میں

نہیں آرہا، کیا کریں۔ میں تو پچھلی رات ڈیرے پر تھا۔ مجھے تو آج صبح پتا چلا ہے کہ حویلی میں اتنی بڑی قیامت گزر گئی ہے۔ نازلی کو تلاش کرنے کا کسے ہوش تھا۔ میں پہلے ڈیرے سے حویلی پہنچا اور پھر آپ کو اطلاع دینے تھانے چلا گیا تھا۔"

میں نے جمیلہ کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا "تم نے بتایا ہے کہ لاش کو سب سے پہلے تم نے دیکھا تھا۔ علاوہ ازیں تم یہ بھی بتا چکی ہو کہ تمہاری رہائش حویلی کے دوسرے حصے میں ہے پھر تم حویلی کے اس حصے میں کیا کرنے آئی تھیں؟"

جمیلہ نے جواب دیا "چودھری صاحب نے جب سے نازلی کو گھر میں ڈالا ہے، ان کے معمولات میں خاصی خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ پہلے وہ علی الصباح اٹھنے کے عادی تھے۔ اب دن چڑھے تک سوتے رہتے تھے۔ جب انہیں کسی روز صبح ہی صبح کہیں جانا ہوتا تھا تو رات مجھ سے کہہ دیتے تھے کہ میں صبح انہیں جگا دوں۔ آج صبح بھی انہیں چک چونتی (چونتیس) جانا تھا اور یہ بات وہ گزشتہ رات مجھے بتا چکے تھے۔ میں تو صبح انہیں جگانے گئی تھی مگر یہاں تو سارا کھیل ہی ختم ہو چکا تھا۔ چودھری صاحب اپنے بستر پر خون میں لت پت پڑے تھے اور وہ منحوس بازاری عورت غائب تھی۔"

میں نے پوچھا "جمیلہ، چودھری نیاز علی کو تو نازلی بھی جگا سکتی تھی پھر انہوں نے یہ فریضہ تمہیں کیوں سونپ رکھا تھا، یہ بات سمجھ میں نہیں آرہی؟"

"اونہہ نازلی!" جمیلہ نے بُرا سا منہ بناتے ہوئے کہا "وہ کیا کسی کو جگاتی، وہ تو خود دوپہر تک سوتی تھی" ایک لمحے کے توقف سے اس نے اضافہ کیا "جناب! آپ کو معلوم ہونا چاہیے، نازلی جس نگر کی پروردہ تھی وہاں دن سوتے ہیں اور راتیں جاگتی ہیں۔ ست خصمی نے چودھری صاحب کی عادتیں بھی بگاڑ دی تھیں۔"

مقتول چودھری کی تیسری بیوی نازلی کا موقع واردات سے اچانک غائب ہو جانا غور طلب تھا۔ اس سے فوری طور پر دو امکانات کی جانب خیال جاتا تھا۔ یا تو چودھری نیاز علی کے قتل میں نازلی پوری طرح ملوث تھی یا پھر چودھری کے قاتل یا قاتلوں نے ہی نازلی کو بھی منظر سے غائب کر دیا تھا۔ میں موقع پر موجود افراد کا بیان لینے سے پہلے ضروری کارروائی مکمل کر لینا چاہتا تھا اس لیے میں جائے واردات کا نقشہ بنانے میں مصروف ہو گیا۔

میں اس بات کا ذکر کر چکا ہوں کہ چودھری نیاز علی کو اس کی خواب گاہ میں قتل کیا گیا تھا۔ وہ خواب گاہ خاصی کشادہ تھی۔ اس پر کسی چھوٹے موٹے ہال کا گمان ہوتا تھا۔ قیمتی فرنیچر سے مزین اس کمرے میں دبیز قالین بچھا ہوا تھا۔ دیواروں پر خوب صورت پینٹنگز کے علاوہ چند اونچے شملوں والے چودھریوں کی تصاویر بھی آویزاں تھیں۔ علاوہ ازیں کمرے میں کپڑوں کی دو چوبی الماریاں بھی موجود تھیں۔ میں نے ہر چیز کا اچھی طرح جائزہ لیا اور باریک بینی سے تمام اہم نکات کو اپنی ڈائری میں نوٹ کر لیا۔ جس مسہری پر چودھری نیاز علی کی لاش پائی گئی تھی اس مسہری پر بچھی رنگین چادر کے ایک کونے پر مجھے خون کے دھبے دکھائی دیے۔ ان دھبوں کو دیکھ کر واضح طور پر محسوس ہوتا تھا کہ چادر کے اس حصے سے کسی خون آلود چیز کو پونچھا گیا تھا۔ ایک بات یقینی تھی کہ قاتل نے چودھری نیاز علی کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد آلۂ قتل کو مسہری کی چادر سے صاف کیا تھا۔

موقع واردات اور لاش سے متعلق ضابطے کی کارروائی مکمل کرنے کے بعد میں نے لاش کو ضلع اسپتال بھجوا دیا تاکہ پوسٹ مارٹم کے مراحل طے ہو سکیں۔ میں نے آلۂ قتل کی تلاش میں مقتول کی خواب گاہ کے علاوہ پوری حویلی کو بھی چھان مارا لیکن مجھے اس کوشش میں کامیابی حاصل نہ ہو سکی البتہ... یہ بات یقینی تھی کہ چودھری نیاز علی کو کسی تیز دھار آلے سے ذبح کیا گیا تھا۔ مثلاً کوئی چھری یا خنجر وغیرہ۔

حویلی میں موجود چودھری اکرم علی اور جمیلہ سمیت تمام افراد کے بیان سے مجھے جو معلومات حاصل ہوئیں ان میں سے غیر ضروری باتوں کو حذف کر کے میں خلاصہ آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں تاکہ آپ اس کیس کے پس منظر سے بہ خوبی آگاہ ہو سکیں۔ کسی بھی پیش منظر کو سمجھنے کے لیے اس کے پس منظر سے آگاہی ضروری ہوتی ہے تاہم اس بات کی وضاحت میں پہلے ہی کر دیتا ہوں کہ بہت سی باتیں مجھے بعد میں معلوم ہوئی تھیں لیکن واقعات کے تسلسل کا خیال رکھتے ہوئے میں انہیں ترتیب وار یہاں لکھ رہا ہوں۔

○☆○

مقتول چودھری نیاز علی موضع چک بتیس کا رہائشی تھا۔ وہ تین بھائیوں میں سب سے بڑا تھا۔ ان کی کوئی بہن نہیں تھی۔ مقتول کی پہلی شادی والدین کی زندگی ہی میں جمیلہ سے ہو گئی تھی۔ پھر والدین کے انتقال کے بعد جب حویلی کا انتظام و انصرام چودھری نیاز علی کے ہاتھ میں آگیا تو اس نے پُر پُرزے نکالنا شروع کر دیے۔ جب تک اس کے والدین زندہ تھے وہ درمیانے درجے کے چودھری ہوا کرتے تھے لیکن ان کی وفات کے بعد نیاز علی نے ہاتھ پاؤں پھیلانا شروع کر دیے۔ اس کی زمین اور جائداد میں تیزی سے اضافہ

ہونے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ اپنے چک کا سب سے بڑا
چودھری بن گیا۔ اس کی شہرت اور مقبولیت آس پاس کے
گاؤں میں پھیل گئی۔ اس کے بالعکس اس کے دو چھوٹے
بھائی قدرے کم معروف تھے۔ منجھلا بھائی چودھری ریاض علی ایک
صلح جو اور امن پسند شخص تھا۔ تیسرا اور سب سے چھوٹا بھائی
اکرم علی قدرے تیز مزاج تھا۔ اکرم علی، ریاض علی سے پندرہ
سال عمر میں چھوٹا تھا۔

مقتول چودھری کی بیوی جمیلہ ایک خاندانی اور گھریلو
عورت تھی۔ کسی زمانے میں دونوں خاندان ہم پلا تھے لیکن
ازاں بعد کی "ترقی" نے چودھری نیاز علی کو خاصا مغرور اور
خود پسند بنا دیا تھا۔ اس نے جمیلہ کو نظرانداز کرنا شروع کر دیا۔
جمیلہ سے اس کی تین اولادیں ہو چکی تھیں لیکن اب وہ کچھ
اور ہی سوچ بیٹھا تھا پھر ایک روز اس نے اپنا فیصلہ سب پر
ظاہر کر دیا۔ وہ چک چونتیس کے چودھری خدا بخش کی بڑی بیٹی
نغمہ سے دوسری شادی کا ارادہ رکھتا تھا۔

اس بات نے سب سے زیادہ دکھ جمیلہ کو پہنچایا۔ وہ زبانی
کلامی اپنا احتجاج ریکارڈ کرواتی رہی لیکن خود سر چودھری من
مانی سے باز نہ آیا اور نغمہ ایک روز جمیلہ کی سوکن کے روپ
میں حویلی میں داخل ہو گئی۔ جمیلہ اس پوزیشن میں نہیں تھی
کہ کھلم کھلا چودھری کی مخالفت کرتی۔ وہ چودھری کو چھوڑنے
کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی لیکن اگر جمیلہ کوئی ضد یا غصہ
دکھاتی یا کسی قسم کا کوئی شدید مطالبہ کرتی تو چودھری اسے
چھوڑنے میں ذرا بھی دیر نہ لگاتا۔ جمیلہ، چودھری کے مزاج
اور تیوروں سے بخوبی واقف تھی سو اس نے سوکن کی بھاری
سل کو طوعاً کرہاً سینے پر جما لیا۔ اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہ
تھا۔

چودھری نیاز علی اپنی حیثیت کے مطابق خاندان میں
شادی کر کے بہت خوش تھا۔ نغمہ نے چودھری کے دو بچوں کو
جنم دیا۔ کچھ ہی عرصے کے بعد چودھری نیاز علی نے اپنے
چھوٹے بھائی ریاض علی کی شادی اپنی سالی سلمیٰ سے کرا دی۔
نغمہ اور سلمیٰ صرف دو ہی بہنیں تھیں۔ ان کے تین بھائی
تھے۔ سلمیٰ کی شادی کے ایک سال بعد، چھ ماہ کے وقفے سے
یکے بعد دیگرے چودھری خدا بخش اور اس کا بیٹا حیدر علی چل
بسے۔ حیدر علی تینوں بھائیوں میں دوسرے نمبر پر تھا۔ سلمیٰ
اور نغمہ اس سے بڑی تھیں۔

سلمیٰ کے چودھری ریاض علی کی بیوی بن کر حویلی میں آنے
کے بعد جمیلہ کی پوزیشن اور کمزور ہو گئی لیکن وہ وفا کی پتلی گلہ
شکوہ کرنا ہی بھول گئی تھی۔ دونوں بہنیں مل کر اکثر اوقات اس
ساتھ زیادتی بھی کر جاتی تھیں مگر وہ اُف تک نہ کرتی تھی۔
شاید یہ اس کے صبر کا نتیجہ تھا کہ حالات نے اچانک ایک نئی
لی۔ گویا میں ایک زلزلہ آگیا۔

یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہ تھی کہ چودھری نیاز علی خاصا
شوقین مزاج واقع ہوا تھا۔ وہ اپنے ذوق و شوق کی تسکین
لیے اکثر و بیشتر اس بازار میں بھی جایا کرتا تھا پھر اس بازار کی
ایک "چیز" میں اس کا دل اٹک کر رہ گیا۔ یہ اس وقت کی
بات ہے جب منجھلے چودھری کی شادی کو پانچ سال کا عرصہ
گزر چکا تھا اور اس کے یہاں دو بچیاں پیدا ہو چکی تھیں۔

چودھری نیاز علی کی غیر نصابی سرگرمیاں تو دونوں بیویوں
کے علم میں تھیں اور وہ وقتاً فوقتاً اسے روکتی ٹوکتی بھی رہتی
تھیں بلکہ چھوٹی بیوی نغمہ تو اس سلسلے میں خاصا سخت رویہ بھی
اختیار کرتی تھی کیونکہ وہ بھی ایک بڑے چودھری خاندان سے
تعلق رکھتی تھی اور اسے اپنی حیثیت اور خاندانی برتری کا
بھی احساس تھا لیکن چودھری نے دل میں جو ٹھان لی تھی اسے
عملی جامہ پہنا کر ہی رہا۔ جب نغمہ کو یقین ہو گیا کہ چودھری
اس پر سوکن لانے کا پکا فیصلہ کر چکا ہے تو اس نے ایک ہنگامہ
کھڑا کر دیا۔

"میں اس طوائف زادی کو اس حویلی میں قدم بھی
نہیں رکھنے دوں گی" ایک رات اس نے چودھری نیاز علی سے
کہا۔

چودھری نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ "مجھے تم
سے اس بے وقوفی کی امید نہیں تھی نغمہ!"

"تو کیا میں پھولوں کے ہاروں سے اس کا استقبال
کروں؟"

"بے شک تم ایسا نہ کرو لیکن ہنگامہ بھی تو نہ مچاؤ۔"

"واہ واہ!" نغمہ نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔ "یہ خوب
پٹی پڑھا رہے ہیں آپ مجھے۔"

"چلو پٹی ہی سمجھ کر پڑھ لو۔"

"ہرگز نہیں۔" وہ قطعیت سے بولی۔

"دیکھو نغمہ، میں نے کبھی تمہیں کسی قسم کی کمی محسوس
نہیں ہونے دی۔" چودھری نیاز علی نے معتدل لہجے میں کہا۔
"تم اپنی ضد سے باز آجاؤ۔ بے جا مجھ سے بحث نہ کرو۔"

نغمہ نے تیز لہجے میں کہا۔ "پہلی بات تو آپ کو یہ تسلیم
کرنا پڑے گی کہ میں خوامخواہ آپ سے بحث نہیں کر رہی
ہوں۔ میری ضد بے جا ہے۔ میں اپنے حق کے لیے شور مچا رہی
ہوں۔ یہ ہر عورت کا حق ہے اور جہاں تک کمی محسوس نہ
کروانے کا سوال ہے تو یہ بات آپ بھی اچھی طرح جانتے

ہیں کہ میں ایک کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں۔ مجھے ماں باپ کے گھر میں بھی کبھی کسی چیز کی کمی محسوس نہیں ہوئی تھی۔"

"میں تمہاری بات مانتا ہوں۔" چودھری مصلحت آمیز لہجے میں بولا "مگر تمہاری یہ حق کے لیے شور مچانے والی بات مجھے پسند نہیں آئی۔"

"اس میں ناپسندیدگی کی کون سی بات ہے؟"

چودھری نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا "تم جس حق کے حصول کے لیے زور مار رہی ہو' وہی حق ماضی میں تم نے بھی ایک عورت سے چھینا تھا۔ تم اس بات کو کیوں فراموش کر رہی ہو؟"

"مجھے ایک ایک بات یاد ہے چودھری صاحب!" نغمہ نے پُراعتماد لہجے میں جواب دیا "میں نے ازخود کسی کے حق پر ڈاکا نہیں ڈالا تھا۔ اس میں میرا کوئی قصور نہیں تھا۔ سب کچھ آپ کی اور ابا جی کی مرضی سے ہوا تھا۔"

"اب بھی سب کچھ میری ہی مرضی سے ہوگا۔" چودھری نے دھیمے لہجے میں کہا "تم نازلی کو قصوروار نہ سمجھو۔"

"نازلی۔۔۔ نازلی!" نغمہ نے کانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "اس کا نام سن سن کر میرا دماغ چکرانے لگا ہے۔ اگر آپ اپنے ارادے سے باز نہ آئے تو۔۔۔"

نغمہ نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ چودھری نے جلدی سے پوچھا "تو تم کیا کرو گی؟"

"میں کچھ بھی کرسکتی ہوں۔"

"مثلاً؟"

"آپ مجھے جمیلہ کی طرح بے دست وپا نہ سمجھیں۔"

"ہاں' یہ تو مجھے احساس ہے کہ تم جمیلہ کی طرح تعاون نہیں کرو گی۔"

وہ بھنا کر بولی۔ "آپ اسے تعاون کرنا کہہ رہے ہیں۔ آپ مجھ پر سوکن لانا چاہتے ہیں اور مجھ سے تعاون کی امید بھی رکھتے ہیں؟ آخر آپ کو مجھ سے ایسی کون سی شکایت ہے جو میرے سینے پر مونگ دلنے کے لیے آپ ایک حرافہ کو حویلی میں لا رہے ہیں۔ کیا میں خوب صورت نہیں ہوں؟ کیا میں نے آپ کے لیے فرزانہ اور عادل کو جنم نہیں دیا؟ کیا کمی ہے مجھ میں؟"

"تم میں صرف عقل کی کمی ہے نغمہ!"

چودھری نیاز علی نے رسانیت سے کہا۔ "تم ہر بات کا الٹا مطلب نکال رہی ہو۔ تمہیں جو خدشات لاحق ہیں ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ نازلی بہت اچھی لڑکی ہے۔ وہ تم سے اور جمیلہ سے ہر قسم کے تعاون کے لیے تیار ہے۔ تم خوامخواہ اپنا خون نہ جلاؤ' انشاء اللہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔"

"کچھ ٹھیک نہیں ہوگا۔"

"اس کا مطلب ہے' تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں ہے؟"

وہ جلدی سے بولی "اس میں اعتماد کی کیا بات ہے؟"

"میں جب کہہ رہا ہوں' سب ٹھیک ہو جائے گا تو یقیناً سب ٹھیک ہو جائے گا۔" چودھری نے نرم لہجے میں کہا "نازلی ایک مصیبت زدہ لڑکی ہے۔ میں اسے سہارا دے کر ایک نیک کام کرنے جا رہا ہوں۔ تم میرا راستہ روکنے کی کوشش نہ کرو۔"

"ایسی بہت سی مصیبت زدہ لڑکیاں دنیا میں پڑی ہیں۔" وہ روٹھے ہوئے لہجے میں بولی "کیا سب کو حویلی میں ڈال لیں گے؟"

"سب کو نہ سہی' ایک نازلی کے ساتھ تو میں یہ ہمدردی کرسکتا ہوں۔"

"ہمدردی!" وہ طنزیہ لہجے میں بولی "آپ کی ہمدردی کا جواب نہیں ہے چودھری صاحب۔ میں نے تو سنا ہے' آپ اس کنجری کے عشق میں مبتلا ہیں!"

چودھری نے اپنے وجود میں اٹھنے والے غصے کے طوفان کو بہ مشکل تمام کنٹرول کیا اور مفاہمت آمیز لہجے میں بولا۔ "نغمہ! تم نے نازلی کے لیے نازیبا الفاظ استعمال کرکے مجھے بہت تکلیف پہنچائی ہے۔"

"سچائی سن کر اگر آپ کو دکھ پہنچا ہے تو مجھے کوئی افسوس نہیں ہے چودھری صاحب!" نغمہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "افسوس تو مجھے صرف اس بات کا ہے کہ آپ میرے احساسات اور جذبات کا بے دریغ قتل عام کر رہے ہیں۔ آپ نے میری محبت اور وفا کو جوتیوں تلے روند دیا ہے۔ آپ نے مجھے جس ذہنی وروحانی صدمے سے دوچار کیا ہے' وہ بیان سے باہر ہے۔ افسوس! آپ ایک ناچنے گانے والی طوائف کو مجھ پر ترجیح دے رہے ہیں۔ کم مائیگی کا احساس میری جان لے لے گا چودھری صاحب! آپ نے مجھے' میری روح کو' میرے جذبات واحساسات کو مجروح کردیا ہے۔ میں نے اپنی ایسی ناقدری کے بارے میں کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔"

چودھری نے محبت بھرے لہجے میں کہا "تم غلط سمجھ رہی ہو نغمہ! نازلی کے آنے کے بعد تمہاری حیثیت اور قدرومنزلت میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ میں تینوں کے ساتھ انصاف کروں گا۔ تینوں کے مساوی حقوق کا خیال رکھوں

گا۔"

"آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔" نغمہ نے بے دھڑک کہا "میں آپ کی بات کا کیسے یقین کرلوں۔ میں چھ سات سال سے آپ کا انصاف دیکھ رہی ہوں۔ اللہ جھوٹ نہ بلوائے۔ جمیلہ کے ساتھ بلاشبہ آپ زیادتی کرتے ہیں۔ کیا آپ کے نزدیک ازدواجی حقوق کی مساویانہ تقسیم یہی ہے؟ خدا کو حاضر ناظر جان کر بتائیں، کیا آپ جمیلہ کے حقوق پوری طرح ادا کررہے ہیں؟"

"یہ جمیلہ ہمارے درمیان کہاں سے آگئی؟" چودھری نے بیزاری سے کہا۔

نغمہ نے ترکی بہ ترکی جواب دیا "جہاں سے نازلی ہمارے درمیان آگئی۔"

"بہرحال!" چودھری نے موضوع گفتگو کو سمیٹتے ہوئے کہا "میں نے تمہیں جو سمجھانا تھا وہ سمجھادیا۔ نازلی عنقریب اس حویلی میں ضرور آئے گا۔"

"ایک بات میری بھی ذرا توجہ سے سن لیں چودھری صاحب!" نغمہ نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا "اگر وہ طوائف اس حویلی میں میری سوکن بن کر آئے گی تو وہ کچھ ہوگا جو اس سے پہلے نہیں ہوا ہوگا۔"

"تم کہنا کیا چاہ رہی ہو؟"

"یہ تو وقت ہی بتائے گا۔"

"مجھے امید ہے، تم کوئی حماقت نہیں کروگی۔"

"آپ نے میری تمام امیدوں پر پانی پھیردیا ہے۔" نغمہ نے شاکی لہجے میں کہا "اب مجھ سے بھی کوئی امید نہ رکھیں تو اچھا ہے۔"

"تم خوامخواہ ملول ہورہی ہو۔" چودھری نے پچکارنے والے انداز میں کہا "نازلی کے آنے سے تمہاری اہمیت کم نہیں ہوگی۔ تم اس سلسلے میں فکرمند نہ ہی ہو تو اچھا ہے۔"

"مجھے لانے سے پہلے یہ بات آپ نے جمیلہ سے بھی کہی ہوگی۔"

"جمیلہ کو اپنے ساتھ نہ ملاؤ۔ اس کی بات دوسری ہے" چودھری نے محبت آمیز لہجے میں کہا "تم تو میرے دل میں رہتی ہو۔ جمیلہ تیس سال گزرنے کے باوجود بھی میری نظر میں وہ مقام نہیں بنا سکی جو تم نے ایک ہی دن میں بنالیا تھا" ایک لمحے کے توقف سے اس نے اضافہ کیا "نغمہ، تم میری بات کا یقین کرو، نازلی بہت صلح جو اور سمجھ دار لڑکی ہے۔ وہ تمہارے ساتھ چھوٹی بہنوں کی طرح رہے گی۔"

"مگر میں اس کے ساتھ بڑی بہنوں کی طرح نہیں رہ سکتی۔"

"یہ تمہاری زیادتی ہوگی۔"

"آپ یہ بھی سمجھ لیں، میں اس بکاؤ مال کو برداشت نہیں کروں گی۔"

نغمہ نے فیصلہ کن لہجے میں کہا "اس حویلی میں ہم دونوں میں سے کوئی ایک رہے گا۔"

"یہ سراسر ہٹ دھرمی ہوگی۔" چودھری نے ترش لہجے میں کہا "اس وقت بھی تو تم اسی حیثیت سے جمیلہ کے ساتھ اس حویلی میں رہ رہی ہو۔"

"آپ اس کے لیے مجھے الزام نہیں دے سکتے۔"

"میں الزام نہیں، ایک مثال دے رہا ہوں۔"

"میں نے جو کہنا تھا، کہہ دیا" نغمہ نے قطعی لہجے میں کہا۔ "آپ ایک بھاری رقم خرچ کرکے نازلی کو حاصل کررہے ہیں۔ آپ جانیں اور آپ کا کام جانے۔ اب میں ہر قسم کا فیصلہ کرنے کے لیے آزاد ہوں۔"

چودھری نیاز علی نے پوچھا "یہ بھاری رقم کا تم نے کیا ذکر کیا ہے؟"

"میں سب جانتی ہوں چودھری صاحب! آپ مجھے بے خبر نہ سمجھیں۔" نغمہ نے معنی خیز لہجے میں کہا "میری معلومات کے مطابق آپ نے نازلی کے عوض اس کوٹھے کی نائیکا مشتری بائی کو ڈھائی ہزار روپے دینے کا وعدہ کیا ہے۔ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟"

چودھری نے تصدیق یا تردید نہیں کی، خاموش نظر سے اپنی دوسری بیوی کو دیکھتا رہا پھر سر سہلاتے ہوئے بولا "بھئی، بڑی زبردست سی آئی ڈی ہے تمہاری!"

نغمہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

یہ حقیقت تھی کہ چودھری نیاز علی نے مشتری بائی کو ڈھائی ہزار روپے ادا کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس زمانے کے ڈھائی ہزار روپے آج کل کے ایک لاکھ روپے سمجھ لیں۔ وہ سستا اور بھلا زمانہ تھا۔ یہ سچ ہے کہ اس وقت لوگوں کی آمدنی بھی کم ہوا کرتی تھی لیکن آج کے مقابلے میں مہنگائی نہ ہونے کے برابر تھی۔ نئی نسل کے لیے اطلاعاً عرض ہے کہ اس زمانے میں بہترین گندم چار روپے فی من دستیاب تھی۔ لائل پور (موجودہ فیصل آباد) سے لاہور تک بس کا کرایہ صرف ڈیڑھ روپے ہوا کرتا تھا۔ سینما کا اوپر والے درجے کا ٹکٹ آٹھ آنے تھا۔ بکری کا گوشت دو روپے فی سیر اور سونا اسی روپے کا تولہ مل جاتا تھا۔ ایک متوسط خاندان کا بیس روپے میں پورے مہینے کا راشن آجاتا تھا۔ اب تو یہ تمام

باتیں خواب و خیال ہو کر رہ گئی ہیں۔

نغمہ، چودھری نیاز علی کی چہیتی بیوی تھی اسی لیے اس نے نغمہ سے اتنی بات بھی کرلی تھی ورنہ جمیلہ سے تو اس نے اس موضوع پر بات کرنا بھی ضروری نہیں سمجھا تھا۔ اللہ کی بندی جمیلہ کو بھی اس کی کوئی زیادہ پروا نہیں تھی حالانکہ وہ تمام حالات سے بہ خوبی واقف تھی مگر اس نے اپنی زبان حلق سے نیچے اتار رکھی تھی۔ شاید اس نے سوچ لیا تھا... جہاں ستیاناس وہاں سوا ستیاناس۔

ایک ماہ کے اندر اندر نازلی، مشتری بائی کے کوٹھے سے چودھری نیاز علی کی حویلی میں پہنچ چکی تھی۔ اب وہ گول بازار کے کوٹھے کی رقاصہ نہیں تھی بلکہ چودھری نیاز علی کی منکوحہ اور تیسری بیوی تھی۔

نازلی کی حویلی میں آمد سے ایک روز قبل ہی نغمہ اپنے دونوں بچوں پانچ سالہ فرزانہ اور تین سالہ عادل کو ساتھ لے کر اپنے میکے چک چونتیس جا چکی تھی۔ چودھری نیاز علی اپنی بڑی بیٹی کی ہم عمر اپنی نئی نویلی دلہن میں اس قدر مگن تھا کہ اس نے نغمہ کی غیر موجودگی کا کوئی خاص نوٹس نہ لیا۔ جمیلہ کی تین اولادیں فیاض علی، نازش اور فاخرہ تھیں جن کی عمریں بالترتیب بائیس، بیس اور پندرہ سال تھیں۔ نازلی کی عمر اکیس سال تھی جو تقریباً نازش کی ہم عمر ہی تھی۔

اس موقع پر نغمہ کی چھوٹی بہن سلمٰی نے نہایت تحمل کا مظاہرہ کیا۔ چودھری نیاز علی یعنی اپنے جیٹھ کی طرف سے اس کا دل تو غم و غصے سے بھرا ہوا تھا مگر اس نے کھل کر اپنے جذبات کا اظہار نہیں کیا۔ اس نے نغمہ کو جانے سے روکا اور نہ ہی خود کوئی انتہائی قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ وہ ایک سمجھ دار اور بردبار عورت تھی اور یہ کہ اس کی اپنے شوہر سے بڑی اچھی نبھ رہی تھی۔ وہ اپنی ازدواجی اور گھریلو زندگی کو داؤ پر نہیں لگانا چاہتی تھی۔ وہ اپنے جیٹھ کی فطرت سے بہ خوبی آگاہ تھی۔ اس کا خیال تھا کہ کچھ عرصے بعد چودھری نیاز علی کا نازلی کی طرف سے دل بھر جائے گا۔ اس دوران میں نغمہ کا غصہ بھی ٹھنڈا پڑ جائے گا اور سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہو جائے گا۔

لیکن کچھ بھی ٹھیک نہ ہو سکا۔ سلمٰی کے سارے اندازے غلط اور سارے خیالات باطل ہو گئے۔ نغمہ اپنی ضد پر اڑی رہی اور چودھری، نازلی میں کھو کر سب کچھ بھلا بیٹھا تھا۔ نغمہ کا مطالبہ تھا کہ جب تک چودھری، نازلی کو حویلی سے نہیں نکالے گا، وہ اس حویلی میں قدم نہیں رکھے گی۔ چودھری نے ایک انتہائی فیصلہ کر کے نغمہ کو اپنی زندگی ہی سے خارج کر دیا۔ اس نے نغمہ کو طلاق دے دی تھی۔ اس وقت نازلی کو حویلی میں آئے ہوئے تین چار ماہ گزر چکے تھے۔

چودھری نیاز علی کے اس فیصلے پر شدید قسم کا رد عمل ظاہر ہوا۔ مرحوم چودھری خدا بخش کی بیوی فضیلت بیگم اور چھوٹا بیٹا سجاول آپے سے باہر ہو رہے تھے۔ ان کے بالعکس نغمہ کا بڑا بھائی خوشی محمد خاصے صبر و تحمل کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ چودھرانی فضیلت بیگم سب سے کہتی پھر رہی تھی کہ اگر نغمہ اس حویلی میں نہیں رہی تو سلمٰی بھی نہیں رہے گی۔ سجاول کو بڑے بھائی خوشی محمد نے بہ مشکل روک رکھا تھا ورنہ وہ تو بڑے خطرناک ارادے رکھتا تھا۔ وہ پہلی فرصت میں چودھری نیاز علی اور اس کی نوبیاہتا بیوی نازلی کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا چاہتا تھا۔ سجاول متفقہ طور پر ایک جھگڑالو، خردماغ اور پھڈے باز شخص تھا۔ وہ اپنی ماں کے اس خیال کا بھی حامی تھا کہ سلمٰی کو اب ایک بھی لمحے کے لیے اس حویلی میں نہیں رہنا چاہیے، جس حویلی کے دروازے اس کی بڑی بہن پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند ہو چکے تھے۔

حویلی کے باہر چودھری نیاز علی کے خلاف غم و غصے کی جو لہر پھیلی ہوئی تھی، چودھری کو اس کی قطعی کوئی پروا نہیں تھی۔ وہ نازلی کے حسن و شباب میں ڈوبا ہوا تھا۔ نازلی، ناز و ادا کی پتلی تھی۔ وہ جہاں سے اٹھ کر آئی تھی وہاں ناز و ادا کی کمائی ہی کھائی جاتی ہے۔ چودھری تو پہلے ہی اس کے قدموں میں دل ہار بیٹھا تھا، اب اپنا بڑھاپا بھی اس پر نچھاور کر رہا تھا۔ اسے اس بات کا مطلق احساس نہ تھا کہ حویلی کے دوسرے حصے میں اس کی جواں سال بیٹی نازش بھی رہ رہی تھی، جس کی ماں جمیلہ مسلسل چودھری کی بے اعتنائی اور زیادتی کا شکار ہو رہی تھی۔ نازلی کا نشہ اسے ہوش و حواس سے بے گانہ کیے دے رہا تھا۔ چودھری کی ہدایت پر نازلی ہر رات دلہن بنتی۔ چودھری بن ٹھن کر اس کی خلوت گاہ کا رخ کرتا۔ خواب گاہ میں شراب پہلے سے موجود ہوتی تھی۔ نازلی تادیر جام بنا بنا کر چودھری کو پیش کرتی رہتی، پھر دونوں ایسے پڑ کر سوتے کہ دوسرے دن کی ہی خبر لاتے۔ نازلی نے چودھری نیاز علی کو بھی دن چڑھے تک سونے کا عادی بنا دیا تھا۔

چودھری اور نازلی کے یہی معمولات جاری تھے کہ ایک رات وہ اندوہ ناک واقعہ پیش آ گیا جس کی دوسری صبح چودھری اپنی خواب گاہ میں مردہ پایا گیا تھا اور اس کی محبوب بیوی نادارد تھی۔

()☆()

پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق چودھری نیاز علی کی

موت آٹھ اکتوبر کی رات دس اور گیارہ بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی۔ اس کی موت کا سبب وہ تیز دھار آلۂ قتل تھا جس سے اس کی شہ رگ کاٹی گئی تھی۔ مقتول کے معدے میں شراب کی اچھی خاصی مقدار پائی گئی تھی۔ میڈیکل ایگزامنر کے مطابق جب چودھری کی موت واقع ہوئی اس وقت وہ شراب کے نشے میں ڈوبا ہوا تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ وہ قاتل کے خلاف کوئی قابل ذکر مزاحمت نہیں کرسکا تھا۔

مقتول چودھری نیاز علی کی تدفین کے بعد میں نے اپنی باقاعدہ تفتیش کا آغاز کیا اور مقتول کی حویلی میں پہنچ گیا۔ اس روز وہاں چودھری ریاض علی مع اہل و عیال بھی موجود تھا۔ شاید میں ایک بات کا ذکر کرنا بھول گیا ہوں۔ وقوعہ کے روز چودھری ریاض علی حویلی میں موجود نہیں تھا۔ وہ گزشتہ چار روز سے بیوی بچوں کے ساتھ سرگودھا گیا ہوا تھا اور ایک روز پہلے ہی واپس لوٹا تھا یعنی اپنے بڑے بھائی کے قتل کے ایک روز بعد، مورخہ نو اکتوبر کی شام کو۔

میں نے پوچھ تاچھ کا سلسلہ مقتول کی پہلی بیوی جمیلہ سے شروع کیا۔ ہم ایک علیحدہ کمرے میں آکر بیٹھے تو میں نے کہا "جمیلہ بیگم! کوئی سوال پوچھنے سے پہلے میں یہ کہنا چاہوں گا کہ مجھے بڑے چودھری صاحب کی موت کا بہت دکھ ہوا ہے۔ میں آپ کے غم میں برابر کا شریک ہوں لیکن اپنے فرائض سے بھی مجبور ہوں اس لیے تمہیں نہ چاہتے ہوئے بھی میرے سوالوں کے جواب دینا پڑیں گے۔"

اس نے جگرپاش نظر سے مجھے دیکھا اور خاموش رہی۔

میں نے چند لمحات توقف کیا پھر کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے پوچھا "جمیلہ، تمہارے اب تک کے رویّے سے مجھے اندازہ ہوا ہے کہ تمہیں چودھری کی موت سے بہت صدمہ پہنچا ہے جبکہ چودھری نے زندگی بھر تمہارے ساتھ ناانصافی اور زیادتی ہی کی تھی۔ کیا میں اس تضاد کی وجہ جان سکتا ہوں؟"

وہ سوالیہ نظر سے مجھے دیکھنے لگی۔

میں نے اپنی بات کی وضاحت کی تو وہ تامل کرتے ہوئے بولی۔ "تھانے دار صاحب! چودھری صاحب جیسے بھی تھے، وہ میرے سر کا سایہ اور میرے بچوں کا سہارا تھے۔ ان کی زیادتیوں اور ناانصافیوں و کج ادائیوں سے قطع نظر وہ ہماری اشد ضرورت تھے... اور جناب! کسی نہایت ہی ضرورت کے چھن جانے سے متعلقین کو دکھ تو ہوتا ہی ہے۔"

جمیلہ کا معصوم اور سیدھا سادہ جواب مدلل اور پرتاثیر تھا۔ وہ حقیقی معنوں میں وفا کی پتلی ایک روایتی مشرقی اور شوہر پرست بیوی تھی۔

میں نے پوچھا "تم نے مجھے بتایا تھا کہ وقوعہ والی رات مقتول نے تمہیں تاکید کی تھی کہ دوسری صبح یعنی نو اکتوبر کو تم اسے ضرور جگا دو۔ تمہارے بیان کے مطابق چودھری چک چونتیس جانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ کیا تم بتا سکتی ہو کہ وہ مذکورہ چک کیوں جانا چاہتا تھا جبکہ وہاں اس کا چھوٹا سالا سجاول اس کے لیے بڑے خطرناک جذبات رکھتا تھا؟"

کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے نفی میں سر ہلایا اور بولی۔ "میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتی۔"

"نازلی کا رویہ تمہارے ساتھ کیسا تھا؟"

"نہ اچھا نہ برا۔"

"میں سمجھا نہیں۔" میں نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

اس نے بتایا "دراصل بات یہ ہے کہ ہمیں زیادہ اٹھنے بیٹھنے اور ملنے جلنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ وہ ہمہ وقت چودھری صاحب کے ساتھ ساتھ رہتی تھی۔ اس کے آنے کے بعد تو چودھری صاحب مجھے بالکل ہی بھول بیٹھے تھے۔ جانے اس بازاری عورت نے چودھری صاحب پر کیسا جادو کردیا تھا کہ انہیں اس کے سوا کوئی نظر ہی نہیں آتا تھا۔"

میں نے پوچھا "تمہارا کیا خیال ہے جمیلہ، کیا چودھری صاحب کے قتل میں نازلی کا بھی ہاتھ ہو سکتا ہے؟"

"جو چودھری صاحب کا دل پھیر سکتی ہے وہ کچھ بھی کرسکتی ہے" جمیلہ نے جلے کٹے لہجے میں جواب دیا "اسی کی وجہ سے نغمہ کو طلاق ہوگئی تھی۔ چودھری صاحب کو جانے اس میں کیا نظر آگیا تھا۔ وہ نحوست ماری نہ اس حویلی میں قدم رکھتی، نہ ہی یہ حویلی اجڑتی۔"

"جو ہوا اس کا مجھے سخت افسوس ہے جمیلہ!" میں نے ہمدردانہ لہجے میں کہا "میں تمہارے خاوند کے قاتل تک فوراً پہنچنا چاہتا ہوں۔ تم اس سلسلے میں میری کیا مدد کرسکتی ہو؟"

"کیسی مدد جناب؟" اس نے الجھن آمیز لہجے میں پوچھا۔

میں نے کہا "تم نے شک ظاہر کیا ہے کہ چودھری کے قتل میں نازلی کا ہاتھ ہو سکتا ہے لیکن وہ خود بھی غائب ہے۔ تمہارے خیال میں وہ کہاں جاسکتی ہے؟"

"گندگی کا کیڑا گندگی میں ہی خوش رہتا ہے تھانے دار صاحب!" وہ مربیانہ انداز میں بولی "میرے خیال میں وہ واپس کوٹھے پر چلی گئی ہوگی۔"

میں نے کہا "یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ چودھری کے قتل میں کسی بھی طور ملوث نہ ہو اور اس وقت کسی مصیبت میں گرفتار ہو۔ چودھری کے قاتل یا قاتلوں نے اسے اغوا کرلیا ہو۔"

"میں تو یہ جانتی ہوں کہ ہم اس کی وجہ سے مصیبت میں گرفتار ہوئے ہیں۔" جمیلہ نے اکتاہٹ آمیز انداز میں کہا "اس ناس ماری کے منحوس قدم نے اس حویلی کا سکون غارت کردیا ہے۔"

میں نے سوالات کا زاویہ تبدیل کرتے ہوئے پوچھا "چودھری صاحب کی کسی سے دشمنی وغیرہ بھی تھی؟"

"جہاں سو دوست ہوتے ہیں وہاں ایک آدھ دشمن بھی ہوتا ہے جناب!" جمیلہ نے جواب دیا "لیکن میرے علم میں ان کا ایسا کوئی دشمن نہیں ہے جو ان کی جان لے لیتا۔"

"سجاول کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"میں کیا کہہ سکتی ہوں۔"

میں نے کہا "نغمہ کی طلاق کے بعد وہ چودھری کے بارے میں اپنے جن عزائم کا برملا اظہار کرتا رہا ہے ان کے پیشِ نظر چودھری کے قتل میں اس کا بھی ہاتھ ہو سکتا ہے۔"

"اس سے کچھ بعید تو نہیں ہے" وہ بُرا سا منہ بناتے ہوئے بولی "لیکن میرا اندازہ ہے کہ وہ اتنا بڑا قدم نہیں اٹھا سکتا۔ چودھری صاحب کو کسی گہری سازش کے تحت قتل کیا گیا ہے۔ پوری منصوبہ بندی کے ساتھ ایسے دن کا انتخاب کیا گیا ہے کہ حویلی میں بہت کم لوگ موجود تھے۔ ریاض اپنے بیوی بچوں کے ساتھ ضلع سرگودھا گیا ہوا تھا۔ اکرم ڈیرے پر تھا۔ حویلی میں چودھری صاحب اور نازلی تھی یا پھر دوسرے حصے میں' میں اپنے بچوں کے ساتھ موجود تھی۔"

وقوعہ کے روز موقع کی کارروائی کے دوران میں' میں حویلی کے ملازمین سے بھی پوچھ گچھ کرچکا تھا لیکن کوئی کام کی بات معلوم نہیں ہو سکی تھی۔ اس رات کسی بھی شخص کو حویلی میں آتے یا جاتے ہوئے نہیں دیکھا گیا تھا۔ ملازمین نے حسبِ معمول سونے سے پہلے تمام دروازے بصد احتیاط بند کیے تھے البتہ صبح حویلی کا داخلی دروازہ کھلا ہوا ملا تھا۔ میرے استفسار پر ایک ملازم نے بتایا تھا کہ رات کو اس نے داخلی گیٹ کو اندر سے کنڈی لگادی تھی۔ تالا لگانے کی اس نے ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ اب جو کوئی بھی حویلی میں داخل ہوا تھا وہ یا تو داخلی گیٹ کو پھلانگ کر اندر کودا تھا یا پھر حویلی کے عقبی حصے سے اندر آیا تھا۔ حویلی کے اس حصے میں ایک چھوٹا سا باغ تھا اور دیوار پانچ فٹ سے زیادہ اونچی نہیں تھی جہاں سے بہ آسانی اندر کودا جا سکتا تھا۔ ہاں یہ بات یقینی تھی کہ واپسی کے لیے قاتل نے حویلی کا بیرونی گیٹ ہی استعمال کیا تھا کیونکہ وہ صبح کھلا ہوا ملا تھا۔

میں نے وقوعہ کے روز قاتل اور نازلی کا سراغ لگانے کے لیے ایک ماہر ترین کھوجی کی خدمات بھی حاصل کی تھیں لیکن بدقسمتی سے وقوعہ کی رات ہلکی بارش بھی ہوئی تھی اس لیے کھوجی کی کوشش بار آور ثابت نہ ہو سکی۔ وہ قاتل یا قاتلوں کا کھرا نہ نکال سکا' نہ ہی نازلی کے قدموں کا کوئی سراغ مل سکا۔

جمیلہ سے جب ایسی کوئی اہم بات معلوم نہ ہو سکی جو تفتیش میں معاون ثابت ہوتی تو میں نے اسے کمرے سے باہر بھیج کر چھوٹے چودھری اکرم علی کو اندر بلالیا۔

اکرم علی کی عمر لگ بھگ پچیس سال تھی۔ وہ ایک صحت مند اور خوش شکل انسان تھا۔ اس نے ہلکی مونچھیں رکھی ہوئی تھیں جو اس کے توانا اور سرخ وسفید چہرے پر بڑی بھلی دکھائی دیتی تھیں۔ بڑے بھائی کے قتل نے اسے خاصا دل شکستہ اور افسردہ کر رکھا تھا۔

میں نے اس کے بیٹھنے کے بعد کہا "اکرم علی! کیا تم نہیں چاہتے کہ تمہارے بھائی کا قاتل جلد از جلد گرفتار ہو جائے؟"

"یہ کیا کہہ رہے ہیں جناب!" اس نے چونک کر مجھے دیکھا "میں بھلا ایسا کیوں نہیں چاہوں گا!"

میں نے کہا "اب تک کی تفتیش کے مطابق ابھی تک میرے ہاتھ میں کوئی ایسا سرا نہیں آیا جسے تھام کر میں آگے بڑھ سکوں۔ تم اس سلسلے میں میری بہ الفاظِ دیگر قانون کی کیا مدد کر سکتے ہو؟"

وہ کچھ دیر سوچنے کے بعد بولا "آپ ہی بتائیں' میں آپ کی کس قسم کی مدد کر سکتا ہوں!"

"دیکھو اکرم علی!" میں نے اس کے چہرے پر نظر جماتے ہوئے کہا "تمہاری بڑی بھابی جمیلہ کا خیال ہے کہ تمہارے بھائی کے قتل میں تمہاری چھوٹی بھابی نازلی کسی نہ کسی طور ضرور ملوث ہے۔ تم اس بارے میں کیا کہتے ہو؟"

وہ ایک لمحے کے تذبذب کے بعد بولا "جناب! میں نے اپنی قبر میں جانا ہے اس لیے میں خواہ مخواہ کسی پر الزام نہیں لگاؤں گا۔ سچی بات یہ ہے کہ مجھے نازلی بھابی میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی تھی۔"

"جمیلہ کا کہنا ہے' نغمہ کو نازلی کی وجہ ہی سے طلاق ہوئی تھی؟"

اکرم علی نے سنجیدہ لہجے میں کہا "اس میں نازلی سے

زیادہ قصور خود نغمہ بھابی کا تھا۔ وہ ضدی اور ہٹ دھرم تھیں۔ وہ خود بھی تو ایک بال بچوں والی عورت پر' ایک دن سوکن بن کر اس حویلی میں آئی تھیں۔ وہ نازلی کو جس فعل کے لیے برا کہہ رہی تھیں وہ جرم خود ان سے بھی سرزد ہو چکا تھا۔ وہ اگر ذرا سمجھ بوجھ سے کام لیتیں تو آج بھی اسی حویلی میں نظر آتیں۔ ان کا گھر اجڑنے کا سبب میں نازلی کو نہیں سمجھتا۔"

وہ اول آخر نازلی کے حق میں بول رہا تھا۔ میں نے کہا۔ "مجھے پتا چلا ہے کہ نازلی کا تعلق اس بازار سے تھا اور چودھری صاحب اسے ڈھائی ہزار روپے میں خرید کر لائے تھے؟"

"آپ کو بالکل صحیح بتایا گیا ہے۔"

میں نے پوچھا "میں نے سنا ہے' نازلی کے اس حویلی میں آتے ہی لڑائی جھگڑے شروع ہو گئے تھے؟"

"اور ان لڑائی جھگڑوں کا سبب بھی نغمہ بھابی ہی تھیں" اکرم علی نے روکھے انداز میں کہا "وہ اگر چاہتیں تو حویلی کی عزت کو سنبھال کر رکھ سکتی تھیں جتنا واویلا انہوں نے نازلی کی آمد پر مچایا تھا۔ اگر اس سے آدھا ہنگامہ بھی جمیلہ بھابی نے ان کی آمد پر مچایا ہوتا تو انہیں لگ پتا جاتا۔ بھائی صاحب نے تیسری شادی کر کے کوئی اتنا بڑا قصور بھی نہیں کیا تھا کہ وہ میکے جا کر ہی بیٹھ گئیں۔ وہ تو اپنی چھوٹی بہن سلمٰی بھابی کا گھر اجاڑنے کی بھی بھرپور کوشش کر رہی تھیں لیکن اللہ نے سلمٰی بھابی کو خاصی سمجھ بوجھ عطا کر رکھی ہے۔"

"اکرم علی! تمہارے خیالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ تم چودھری صاحب کی تیسری شادی کے حق میں تھے؟" میں نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

"اس میں حق میں نہ ہونے کی کیا بات ہے؟" اس نے چونک کر مجھے دیکھا "اسلام نے چار شادیوں کی اجازت دی ہے۔"

"مگر انصاف کے تقاضے پورے کرتے ہوئے۔"

"بھائی صاحب' اپنی بیویوں کے حقوق کا پورا خیال رکھتے تھے۔"

میں نے کہا "تمہاری جمیلہ بھابی کا خیال تم سے مختلف ہے۔"

"اور نغمہ بھابی کا خیال تو بالکل ہی مختلف تھا" اس نے سرسری سے لہجے میں کہا "ہر شخص کا اپنا اپنا خیال ہوتا ہے۔ میں نے اپنا نقطۂ نظر بیان کر دیا ہے۔"

میں نے ایک بات خاص طور پر محسوس کی کہ تمام گفتگو کے دوران میں وہ نازلی اور مقتول چودھری کے حق میں بولا تھا اور کسی بھی موقع پر اس نے نغمہ کی حمایت نہیں کی تھی۔ نہ ہی جمیلہ کا ذکر سنجیدگی سے کیا تھا' اس سے یہ بات ظاہر ہوتی تھی کہ وہ چودھری اور نازلی کی شادی کو حق بجانب سمجھتا تھا۔

میں نے سوال کیا "اکرم علی! تم وقوعہ کی رات ڈیرے پر کیا کر رہے تھے؟"

"میری اکثر راتیں ڈیرے پر گزرتی ہیں جناب!" اس نے جواب دیا۔ "یار بیلی جمع ہو جاتے ہیں اور ہم تاش وغیرہ کھیلتے ہیں یا ادھر ادھر کی گپیں لگاتے ہیں۔"

"تمہیں کس وقت پتا چلا کہ تمہارے بھائی کو قتل کر دیا گیا ہے؟"

اس نے بتایا "حویلی کے ملازم راجو کو جمیلہ بھابی نے میرے پاس بھیجا تھا۔ میرا خیال ہے' اس وقت سورج طلوع ہو چکا تھا۔"

"تم اس روز ڈیرے پر کتنے بجے گئے تھے؟"

"رات کا کھانا کھانے کے بعد" اس نے جواباً بتایا "شاید سات بجے تھے۔"

"اس رات ڈیرے پر تمہارے کون کون سے یار بیلی جمع تھے؟"

اس نے نام گنوانے شروع کیے "جناب! ایک تو عارف جٹ تھا۔ محمد طفیل تھا اور پھر منظور حسین تھا۔"

میں نے یہ تینوں نام اپنی ڈائری میں نوٹ کرتے ہوئے پوچھا "کیا وہ پوری رات تمہارے ساتھ ڈیرے پر رہے تھے؟"

"جناب! محمد طفیل تو آدھی رات سے کچھ پہلے روانہ ہو گیا تھا" اس نے جواب دیا "باقی دونوں صبح تک میرے ساتھ ہی رہے تھے۔"

میں نے پوچھا "کیا یہ تینوں اشخاص چک بتیس ہی کے رہنے والے ہیں؟"

اس نے اثبات میں جواب دیا۔ میں نے پوچھا "اکرم علی! تمہارے خیال میں چودھری نیاز علی کا قاتل کون ہو سکتا ہے؟"

"قاتل کو تلاش کرنا تو آپ کا کام ہے جناب!"

"ہاں' تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا "قاتل کو تلاش کرنا میری ہی ذمے داری ہے لیکن یہاں تو مدعی سست والا معاملہ پیش آ رہا ہے۔"

"آپ کہنا کیا چاہ رہے ہیں جناب؟"

میں نے کہا "چودھری اکرم علی! ہماری تفتیش کی گاڑی شک کا پیٹرول مانگتی ہے۔ تمہاری جمیلہ بھابی نے تو پکا پکا شک نازلی پر ظاہر کیا ہے۔ اس کے خیال میں نازلی، چودھری نیاز علی کے قتل میں بلاواسطہ یا بالواسطہ ضرور ملوث ہے مگر تم کہتے ہو۔۔۔"

میں نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ وہ جلدی سے بولا۔ "یہ کیسے ممکن ہے جناب!"

"ناممکن کیسے ہے؟"

وہ میرے سوال پر گڑبڑا گیا، جزبز ہو کر بولا "میرا مطلب تھا۔۔۔ نازلی تو خود بھی غائب ہے۔ ہو سکتا ہے، اس پر اس سے بھی کوئی بڑی افتاد آن پڑی ہو۔ پھر نازلی کو چودھری صاحب کے قتل سے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے؟"

"فائدے اور نقصان کا حساب تو مناسب موقع آنے پر ہو ہی جائے گا برخوردار!" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اس سے قبل سب سے اہم معاملہ قاتل کی گرفتاری کا ہے اور ابھی تک قاتل کے بارے میں کوئی حتمی رائے بھی قائم نہیں کی گئی۔ تمہاری بڑی بھابی نے اگرچہ نازلی پر اپنے شک کا اظہار کیا ہے لیکن میری نظر میں مقتول چودھری کا چھوٹا سالا سجاول بھی خاصا مشکوک ہے۔ میری معلومات کے مطابق وہ چودھری نیاز علی کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی باتیں بڑے زور و شور سے کرتا رہا ہے۔ میں فی الحال انہی دو افراد کو چیک کرنا چاہتا ہوں۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

"آپ جو کچھ بھی کرنا چاہتے ہیں وہ کریں۔" اکرم علی نے اضطراری انداز میں کہا "میں تو بس یہ چاہتا ہوں کہ آپ جلد از جلد بھائی صاحب کے قاتل کو کیفرِ کردار تک پہنچا دیں۔"

"انشا اللہ ایسا ہی ہوگا" میں نے تیقّن سے کہا "اور میں امید کرتا ہوں کہ تم اس سلسلے میں مجھ سے بھرپور تعاون کرو گے۔"

"لیس جی، یہ بھی کوئی کہنے والی بات ہے" اکرم علی نے مطمئن انداز میں کہا "میں بھائی صاحب کے قاتل کو گرفتار کروانے میں قانون کی مدد نہیں کروں گا تو پھر کون کرے گا۔"

اکرم علی کے بعد میں نے اس کے بڑے اور مقتول کے چھوٹے بھائی چودھری ریاض علی سے بھی مختصر بات چیت کی۔ وہ وقوعہ کے روز حویلی میں موجود نہیں تھا۔ ریاض علی چالیس سال کا ایک سمجھ دار اور بردبار شخص تھا۔ اس سے کام کی کوئی بات معلوم نہ ہو سکی۔ وہ نازلی کے لیے اپنے دل میں اچھے جذبات نہیں رکھتا تھا تاہم اس نے کھل کر نازلی کی مخالفت بھی نہیں کی۔ میں نے محسوس کیا، چودھری ریاض علی اپنے کام سے کام رکھنے والا انسان تھا۔ اس کی بیوی سلمٰی نے میرے سوالوں کے جواب میں نازلی کے خوب لتے لیے اور اسے ہر خرابی کی جڑ قرار دیا۔ یہ اس کا طبعی اور فطری ردِ عمل تھا۔ نازلی اس کی بڑی بہن نغمہ پر سوکن بن کر آئی تھی اور اسے طلاق دلوانے کا سبب بھی بنی تھی۔ میں نے باری باری دونوں میاں بیوی سے سجاول کے خطرناک عزائم کے بارے میں بھی دریافت کیا لیکن ان کا خیال تھا کہ سجاول اتنا بڑا قدم نہیں اٹھا سکتا تھا۔ اس کی جذباتی دھمکیاں محض وقتی اشتعال کا نتیجہ تھیں۔

میں نے حویلی میں موجود جمیلہ کے بچوں خصوصاً فیاض اور نازش سے بھی مختلف سوالات کیے۔ ان کے خیالات اپنی ماں سے ملتے جلتے تھے اور ایسا ہونا بھی چاہیے تھا۔

میں کچھ دیر کے بعد حویلی سے باہر نکل آیا۔ مجموعی طور پر حویلی کے مکینوں کے جذبات نازلی کے حق میں کچھ اچھے نہیں تھے۔ صرف چودھری اکرم علی اپنے دل میں اس کے لیے نیک خواہشات رکھتا تھا۔ بہرحال سجاول اور نازلی میری ہٹ لسٹ پر تھے۔ مجھے مشتری بائی کے کوٹھے کا چکر بھی لگانا تھا اور چک چونتیس بھی جانا تھا۔ میں نے چک چونتیس سے اپنے کام کے آغاز کا فیصلہ کیا اور واپس تھانے آ گیا۔

میں کل صبح ہی اس واردات کی رپورٹ اپنے علاقے کے ایس پی کو بھجوا چکا تھا ۔۔۔ اس کارروائی کی تفصیل بیان کرنا میں ضروری نہیں سمجھتا۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی دفتری باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کا ذکر آپ کے لیے انتہائی غیر دلچسپ اور اکتاہٹ کا باعث ہوگا۔ دراصل تفتیش کے دوران میں مختلف مراحل پر ہمیں بہت سے پاپڑ بیلنا پڑتے ہیں، بہت سی باضابطہ اور بے ضابطہ کارروائیاں ڈالنا پڑتی ہیں۔ تب کہیں تفتیش کی گاڑی لمحہ بہ لمحہ آگے بڑھتی نظر آتی ہے۔

جب سے مجھے سجاول کی تعلّیوں کا علم ہوا تھا، میں نے ایک ہوشیار قسم کے پولیس اہل کار کو سادہ لباس میں چک چونتیس روانہ کر دیا تھا تاکہ وہ وقوعہ کے روز سجاول کی مصروفیات کی تفصیل معلوم کر سکے۔ میں تھانے پہنچا تو مذکورہ اہل کار ایک سنسنی خیز اطلاع کے ساتھ موجود تھا۔ میں نے فوراً اسے اپنے کمرے میں بلا لیا۔

"ہاں بھئی فیض محمد!" میں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے پوچھا "کیا خبر لائے ہو تم؟"

"ملک صاحب! بندہ وقوعہ کی رات چک چونتیس سے

غائب تھا۔"

"کچھ معلوم ہوا، وہ کہاں گیا ہوا تھا؟"

"نہیں جناب، تفصیلات کا پتا نہیں چل سکا" کانسٹیبل فیض محمد نے جواب دیا "میں نے لوگوں کو زیادہ ٹٹولنے کی کوشش بھی نہیں کی تاکہ انہیں شک نہ ہوجائے اور وہ اس چھان بین کی اطلاع سجاول کو نہ پہنچادیں۔"

"یہ تو تم نے عقل مندی کا ثبوت دیا ہے فیض محمد!" میں نے سراہنے والے انداز میں کہا "کیا اس وقت وہ گاؤں میں ہی ہے؟"

"جناب، صبح تک تو تھا۔"

"اور کوئی خاص بات معلوم ہوئی؟"

"جی ملک صاحب!" وہ جلدی سے بولا "مجھے پتا چلا ہے، سجاول وقوعہ کی رات اپنے دوستوں کے ساتھ کہیں گیا تھا اور ان کی واپسی دوسری صبح یعنی نو اکتوبر کو ہوئی تھی۔"

"شاباش! تم نے بہت کام کی باتیں معلوم کی ہیں" میں نے دل سے اس کی تعریف کی۔

فیض محمد کے جانے کے بعد میں نے اسی وقت چک چونتیس جانے کا فیصلہ کیا۔ اس وقت دوپہر کے دو بج رہے تھے۔ میں نے اے ایس آئی وقار حسین کو اپنے پاس بلایا اور اسے اپنے پروگرام سے آگاہ کیا۔ پوری بات سننے کے بعد اس نے مشورہ دیا۔

"ملک صاحب! میرا خیال ہے، ہمیں کل صبح ہی صبح چک چونتیس جانا چاہیے۔"

میرے استفسار پر اس نے فوری طور پر وہاں نہ جانے کی وجہ یہ بتائی کہ ہم شام سے پہلے مذکورہ چک نہیں پہنچ سکتے ہیں۔ اس موسم میں دن خاصا چھوٹا تھا اور چھ بجے تک شام ہوجاتی تھی۔ اے ایس آئی کی بات خاصی معقول تھی اس لیے میں نے اپنے پروگرام کو دوسرے دن تک ملتوی کردیا۔

○☆○

جس وقت ہم چک چونتیس پہنچے، دوپہر کے تقریباً گیارہ کا وقت تھا۔ اے ایس آئی وقار حسین میرے ہم راہ تھا۔ اس زمانے میں آج کل کی طرح پولیس والوں کو نہ تو تیز رفتار موبائلز مہیا تھیں اور نہ ہی جدید قسم کے ہتھیار میسر تھے۔ ہم گھوڑوں، تانگوں اور بائیسکل کی مدد سے سفر کرتے تھے یا پھر ایک ضلع سے دوسرے ضلع تک لاریوں اور بسوں کا سہارا لیا جاتا تھا۔ ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں تک جانے کے لیے بس اور ٹرین وغیرہ کی سہولت موجود نہیں تھی۔

میں چاہتا تو سجاول کو گرفتار کرا کے تھانے بھی بلوا سکتا تھا لیکن مقتول کی بیوہ جمیلہ اور برادران خورد چودھری ریاض علی و چودھری اکرم علی کی جانب سے سجاول پر براہِ راست شک ظاہر نہیں کیا گیا تھا اس لیے میں نے بہ نفسِ نفیس وہاں جانے کا سوچا تھا۔ ویسے بھی میں خوا مخواہ کی پکڑ دھکڑ کا قائل نہیں تھا۔

چودھری خوشی محمد نے اپنی حویلی میں ہمارا استقبال کیا اور ہمیں ایک سجی سجائی بیٹھک (ڈرائنگ روم) میں لے جاکر بٹھادیا۔ ہم دونوں وردی میں تھے لہٰذا ہماری آمد نے سجاول کے بڑے بھائی خوشی محمد کو تشویش میں مبتلا کردیا۔ میں نے اپنا تعارف کرواتے ہوئے کہا۔

"میرا نام ملک صفدر حیات ہے اور میں اس علاقے کا تھانے دار ہوں۔"

"جناب، میں آپ کے نام سے تو واقف ہوں مگر ملاقات آج پہلی مرتبہ ہو رہی ہے۔" خوشی محمد نے شائستہ لہجے میں کہا۔ "آپ خیریت سے تو آئے ہیں؟"

"خیریت نہیں ہے چودھری صاحب!" اے ایس آئی وقار حسین نے بات کو آگے بڑھایا "ہم ایک قتل کی تفتیش کے سلسلے میں یہاں آئے ہیں۔"

"کیسا قتل جناب؟"

میں نے کہا "چند روز قبل چک بتیس میں چودھری نیاز علی کو کسی نے سوتے میں قتل کردیا تھا۔"

"ہاں، ہم نے یہ خبر سنی تھی" چودھری خوشی محمد نے متاسفانہ انداز میں کہا۔

مجھے بیٹھک کے دروازے کے پیچھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ یقیناً حویلی کے اندرونی حصے میں دروازے کے پیچھے چھپ کر کوئی شخص ہماری گفتگو سن رہا تھا، پھر دوسرے ہی لمحے وہ پوشیدہ شخصیت یک دم سامنے آگئی۔

وہ ایک لحیم شحیم عورت تھی۔ اس کی عمر کا اندازہ میں نے پچاس اور پچپن کے درمیان لگایا۔ اس کا رنگ سانولا اور قد خاصا کم تھا لیکن مجموعی طور پر وہ ایک خوب صورت عورت تھی۔ جوانی میں یقیناً خاصی دل کش اور پُرکشش رہی ہوگی۔ اس نے بیٹھک میں داخل ہوتے ہی خوشی محمد کو مخاطب کیا۔

"پتر! پولیس ہماری حویلی میں کیا لینے آئی ہے؟"

مجھے یہ اندازہ لگانے میں دیر نہ لگی کہ وہ عورت چودھری خوشی محمد کی والدہ چودھرانی فضیلت بیگم تھی۔ خوشی محمد نے اسے ہماری آمد کے بارے میں بتایا تو وہ چیخ کر بولی۔

"تھانے دار صاحب! چودھری نیاز علی اور اس کی حویلی سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

میں نے کہا "آپ کے کہہ دینے سے تعلق ختم نہیں ہوجائے گا فضیلت بیگم۔"

"یہ تعلق تو اسی دن ختم ہوگیا تھا جب نغمہ پر اس حویلی کے دروازے بند ہوئے تھے۔"

"یہ مت بھولیں کہ آپ کی دوسری بیٹی ابھی تک اس حویلی میں موجود ہے" میں نے سنجیدہ لہجے میں کہا "چودھری نیاز علی کی حویلی سے آپ کے خاندان کا تعلق اتنی آسانی سے ٹوٹنے والا نہیں ہے۔"

"میرے لیے سلمٰی کا ہونا نہ ہونا ایک برابر ہے" چودھرانی نے بیزاری سے کہا "وہ ہمارے دشمن کی پناہ میں ہے اور وہاں سے نکلنے کا ارادہ نہیں رکھتی۔ میں اب اس کی شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتی۔ وہ میری بات مان لیتی تو میرا دل خوش ہوجاتا۔"

"اماں کیسی باتیں کرتی ہو" خوشی محمد نے نرم الفاظ میں ماں کو سرزنش کی "نغمہ کی قسمت میں جو لکھا تھا وہ ہوگیا۔ سلمٰی کیوں اس افتاد کی لپیٹ میں آئے۔ اس نے اگر تمہاری بات نہیں مانی تو عقل مندی کا ثبوت دیا ہے۔ تم تو یہی چاہتی تھیں کہ وہ بھی طلاق کا طوق گلے میں ڈال کر واپس آجائے۔"

"اس نامراد نے عقل مندی کا ثبوت نہیں دیا بلکہ میری ناک کٹوادی ہے" چودھرانی جلالی لہجے میں بولی "اس نے غیر لوگوں کو مجھ پر فوقیت دی ہے۔"

خوشی محمد نے سمجھانے والے انداز میں ماں سے کہا۔ "اماں، جنہیں تم غیر کہہ رہی ہو، درحقیقت وہی سلمٰی کے اپنے ہیں۔ ایک عورت کے سب سے قریبی عزیز رشتے دار اس کا شوہر اور اس کے بچے ہی ہوتے ہیں۔ سلمٰی کا فیصلہ دانش مندی پر مبنی تھا۔"

ماں بیٹے کی اس مختصر نوک جھوک میں مجھے محسوس ہوا کہ چودھری خوشی محمد خاصا سمجھ دار، بردبار اور معاملہ فہم تھا جبکہ اس کے مقابلے میں فضیلت بیگم جذبات کا ایک ایسا گولا تھا جس میں خودپسندی اور انانیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

فضیلت بیگم نے براہِ راست مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا "تھانے دار صاحب! کیا آپ صرف چودھری نیاز کے قتل کی اطلاع دینے یہاں تک آئے ہیں۔ یہ بات تو ہمیں اسی دن پتا چل گئی تھی جب پولیس اس کی حویلی میں پہنچی تھی۔"

میں نے کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے کہا "چودھرانی جی! یہاں میری آمد کا مقصد چودھری کے قتل کی اطلاع پہنچانا ہرگز نہیں تھا۔"

"پھر کیا مقصد تھا آپ کا؟" وہ تیوری چڑھا کر بولی۔

میں نے کہا "میں دراصل آپ کی صاحب زادی نغمہ سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے علاوہ سجاول سے بھی ملاقات ضروری ہے۔"

"سجاول تو اس وقت حویلی میں نہیں ہے" چودھرانی نے بدستور اکھڑے ہوئے لہجے میں کہا "اور۔۔۔ نغمہ سے آپ کون سی ضروری باتیں کرنا چاہتے ہیں؟"

"نازلی کے بارے میں کچھ پوچھنا ہے مجھے۔"

وہ ایک دم بھڑک اٹھی۔ "اس رنڈی کا تو آپ نام بھی نہ لیں۔"

"اماں! اپنے حواس کو کنٹرول میں رکھو" چودھری خوشی محمد نے قدرے تیز آواز میں کہا "یہ کوئی طریقہ نہیں ہے بات کرنے کا۔"

وہ منمناتے ہوئے لہجے میں بولی "اس کنجر کی اولاد نے میری نغمہ کی زندگی میں زہر گھول دیا ہے اور تم کہتے ہو کہ میں اپنے حواس کو قابو میں رکھوں؟"

میں نے مصلحت اندیشی سے کام لیتے ہوئے کہا "چودھرانی جی! آپ میری بات کا الٹا مطلب نہ نکالیں۔ میں نازلی کی شان میں یہاں قصیدہ پڑھنے نہیں آیا ہوں اور نہ ہی میں اس کی وکالت کررہا ہوں۔"

"پھر آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟" وہ قدرے ٹھنڈی پڑتی ہوئی بولی۔

میرے کچھ بولنے سے پہلے ہی چودھری خوشی محمد اٹھ کر کھڑا ہوگیا اور بولا "معاف کرنا تھانے دار صاحب! میں اس تلخ گفتگو میں آپ کی خاطر تواضع تو بھول ہی گیا ہوں۔ میں ایک منٹ میں انتظام کرواتا ہوں۔"

"اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے" میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھاتے ہوئے کہا "ہم اس وقت ڈیوٹی پر ہیں۔"

"یہ کیسے ہوسکتا ہے ملک صاحب!" خوشی محمد نے اپنائیت سے کہا "آپ ہمارے غریب خانے پر پہلی مرتبہ تشریف لائے ہیں۔"

"میں نے کہانا، کسی تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔"

"تکلف تو آپ کررہے ہیں جناب!" وہ محبت آمیز لہجے میں بولا۔ "کم ازکم کستوری والا دودھ اور خشک میوہ جات تو ضرور چلیں گے۔"

میں اس کی محبت کے سامنے مجبور ہوگیا "ٹھیک ہے،

لیکن لمبے چوڑے چکر میں نہ پڑجانا۔ تمہارا یہاں موجود رہنا بھی ضروری ہے۔"

"میں ابھی ملازم کو ہدایت دے کر آتا ہوں۔"

خوشی محمد کے جانے کے بعد چودھرائن میری جانب متوجہ ہوگئی۔ "آپ کیا کہہ رہے تھے تھانے دار صاحب؟"

میں نے کہا "چودھری نیاز علی کی پہلی بیوی جمیلہ نے شک ظاہر کیا ہے کہ چودھری کے قتل میں نازلی کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔"

میں چودھرانی کی ذہنیت کو سمجھ گیا تھا اور اس کے بے ہودہ موڈ اور تنک مزاجی کو دیکھتے ہوئے بات کر رہا تھا۔

چودھرانی نے میری بات سنتے ہی جلدی سے کہا۔

"جمیلہ کو تو شک ہوگا لیکن مجھے یقین ہے" وہ ٹھوس لہجے میں بولی "یقیناً یہ نازلی ہی کا کام ہے۔"

"آپ کے یقین کی کوئی خاص وجہ؟"

وہ بولی "یہ کوٹھے والیاں دولت کی چمک دمک پر جان دیتی ہیں۔ نازلی نے بھی اس بڈھے کھڑوس سے دولت کے لالچ میں ہی شادی کی تھی۔ وہ دولت کی خاطر قتل تو کیا' اس سے بھی بڑے بڑے کام کر سکتی ہے۔"

"آپ کو شاید پتا نہیں ہے چودھرانی جی!" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا "چودھری نیاز علی کے قتل کے بعد نازلی بھی غائب ہے۔"

"مجھے سب پتا ہے۔"

"پھر وہ دولت کے لالچ والی بات تو غلط ہوگئی۔"

وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی "آپ ان کسبیوں کو نہیں جانتے تھانے دار صاحب! ان کے چھل فریب کو سمجھنا اتنا آسان نہیں ہے۔ آپ دیکھ لینا' وہ کسی دن اچانک نمودار ہوگی۔ خود پر ٹوٹنے والی کسی مصنوعی بپتا کی المناک اور غم انگیز داستان سنائے گی اور حویلی کی مالکن بن بیٹھے گی۔"

"یہ سب مبنی بر قیاس باتیں ہیں چودھرانی جی!" میں نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا "فی الحال تو وہ منظر سے غائب ہے اور چودھری نیاز علی کے قتل کا معما باقی ہے۔"

"میرا خیال ہے' اگر آپ کسی طرح نازلی کو ڈھونڈ کو گرفتار کرلیں تو یہ معما حل ہو سکتا ہے۔" چودھرانی نے اپنی دانست میں ایک انتہائی عقل مندانہ تجویز پیش کی۔

میں نے کہا "اس بات کا امکان تو بہرحال موجود ہے کہ چودھری کے ساتھ ساتھ اس پر بھی کوئی افتاد ٹوٹ پڑی ہو اور اس وقت وہ کسی شدید قسم کی صورت حالات سے دوچار ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ چودھری کے قاتل یا قاتلوں نے اب تک نازلی کو بھی ٹھکانے لگا دیا ہو۔"

"مجھے یقین نہیں ہے" وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی "نازلی جیسی فتنہ پرور عورتیں اتنی آسانی سے نہیں مرا کرتیں۔ وہ ضرور کہیں چھپی بیٹھی ہے۔ مناسب وقت کا انتظار کر رہی ہوگی۔ جب دیکھے گی کہ چودھری کے قتل کا معاملہ ٹھنڈا پڑ گیا ہے تو پھر پوری منصوبہ بندی کے ساتھ میدان میں اترے گی۔ اسے آپ کوئی عام عورت نہ سمجھیں' وہ تیرہ تالنی ہے۔ ان طوائفوں اور رنڈیوں کی چالوں کو سمجھنا اتنا آسان نہیں ہوتا تھانے دار صاحب۔"

میں نے پوچھا "آپ کے اندازے کے مطابق نازلی اس وقت کہاں روپوش ہوگی؟"

"میں یقینی طور پر تو کچھ نہیں کہہ سکتی" چودھرانی نے جواب دیا "البتہ اگر آپ مشتری بائی کے کوٹھے پر چھاپا ماریں تو وہاں سے نازلی کا کوئی سراغ یا سن گن مل سکتی ہے۔"

اسی اثنا میں چودھری خوشی محمد بیٹھک میں داخل ہوا۔ اس کے عقب میں ایک ملازم بڑی سی ٹرے اٹھائے چلا آ رہا تھا۔ خوشی محمد کی ہدایت پر ملازم نے وہ ٹرے سینٹر ٹیبل پر رکھ دی۔ ایک بڑے بلوری جگ میں کستوری والا دودھ موجود تھا۔ ساتھ میں دو تین خشک میوے سے بھری ہوئی پلیٹیں بھی تھیں۔ ملازم نے ہمارے لیے گلاسوں میں دودھ انڈیلا اور بیٹھک سے باہر چلا گیا۔ ہم خنک موسم میں گنگنے دودھ سے انصاف کرنے لگے۔

چودھری خوشی محمد نے بتایا "ملک صاحب! میں نے ایک بندہ سجاول کو بلانے بھیج دیا ہے۔ وہ ابھی تھوڑی دیر میں یہاں پہنچ جائے گا۔ وہ اُدھر کھیتوں میں گیا ہوا ہے۔"

چودھرانی نے ٹانگ اڑاتے ہوئے پوچھا "تھانے دار صاحب! آپ سجاول سے کیا باتیں کرنا چاہتے ہیں؟"

"کوئی خاص بات نہیں ہے۔" میں نے ٹالنے والے انداز میں کہا۔ "بس دو چار سرسری سے سوالات پوچھوں گا۔"

پھر میں نے چودھری خوشی محمد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "کیا خیال ہے چودھری صاحب! سجاول کے آنے تک نغمہ بی بی سے دو چار باتیں نہ ہو جائیں۔ ممکن ہے' مفرور نازلی کے بارے میں کوئی اہم بات یا کوئی سراغ معلوم ہو جائے۔"

خوشی محمد آمادہ نظر آ رہا تھا لیکن چودھرانی فوراً بیچ میں بول پڑی "نغمہ تو دس گیارہ ماہ سے یہاں رہ رہی ہے۔ وہ بے چاری اس حرافہ کے بارے میں کیا بتائے گی۔"

"کچھ نہیں بتا سکے گی تو کوئی بات نہیں" میں نے کہا

"پوچھنے میں حرج ہی کیا ہے؟"
"کوئی حرج نہیں ہے" خوشی محمد نے کہا۔
چودھرانی نے جھکے ہوئے لہجے میں کہا "میرا تو خیال ہے' آپ خوا مخواہ اپنا وقت ہی ضائع کریں گے۔"
"میں آپ کی ملاقات کا انتظام کرتا ہوں ملک صاحب!" خوشی محمد اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور گھر کے اندرونی حصے کی جانب جانے لگا۔ چودھرانی نے جلدی سے کہا۔
"انتظام وانتظام کی کیا ضرورت ہے خوشی محمد۔ نغمہ کو یہیں بیٹھک میں بلا لیتے ہیں۔"
میں نے کہا "میں نغمہ سے تنہائی میں بات کرنا چاہتا ہوں۔"
وہ بُرا سا منہ بنا کر رہ گئی۔ چودھری خوشی محمد بیٹھک سے نکل گیا۔ خوشی محمد کے جانے کے بعد چودھرانی' نازلی کے شجرے کے بخیے ادھیڑنے لگی۔
نغمہ کی عمر لگ بھگ تیس سال تھی۔ وہ ایک خوش شکل عورت تھی۔ اس کا تین سالہ بیٹا عادل بھی اس وقت اس کے پاس ہی بیٹھا ہوا تھا۔ خوشی محمد نے ہماری ملاقات کا انتظام ایک الگ تھلگ کمرے میں کیا تھا۔ ہم تھوڑی دیر تک ایک دوسرے کے سامنے خاموش بیٹھے رہے پھر میں نے سلسلۂ کلام کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔
"نغمہ بی بی! میں نہ تو تمہارے پاس اظہار افسوس کرنے آیا ہوں اور نہ ہی کوئی خوشخبری سنانے۔ درحقیقت میں..."
مجھے مجبوراً اپنی زبان روکنا پڑی۔ میں نے محسوس کیا جیسے نغمہ بہ مشکل خود پر قابو کیے بیٹھی ہو۔ اس کی صورت سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ رو دینے کے قریب ہے۔ اس کا وجود ہولے ہولے لرز رہا تھا۔
وہ اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے بولی "آپ خاموش کیوں ہو گئے ہیں۔ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں' جلدی جلدی کہہ ڈالیں۔"
میں نے کہا "دراصل' مجھے چودھری نیاز علی کے قاتل کی تلاش ہے۔ کیا تم اس سلسلے میں میری کوئی مدد کر سکتی ہو؟"
"میں بھلا آپ کی کیا مدد کر سکتی ہوں" وہ مرتعش لہجے میں بولی "آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟"
میں نے اپنا مدعا بیان کیا "اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ چودھری صاحب کے قتل میں نازلی ملوث ہے جبکہ وہ خود بھی وقوعہ کے بعد اچانک غائب ہو گئی ہے۔ تم نے چودھری نیاز علی کے ساتھ چھ سات سال گزارے ہیں۔ ان کی عادات سے تم بخوبی واقف ہو گی۔ ان کے دوستوں اور دشمنوں کو بھی جانتی ہو گی۔ اگر چند لمحات کے لیے ہم نازلی کو نظرانداز کر دیں تو تمہارے خیال میں چودھری نیاز علی کے قتل میں کس کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔ ان کا ایسا جان کا دشمن کون شخص ہو سکتا ہے؟"
وہ روہانسے لہجے میں بولی "چودھری صاحب' خود اپنی جان کے سب سے بڑے دشمن تھے۔"
یہ ذو معنی بلکہ ہشت پہلو اور ہزار معنی جملہ بول کر نغمہ خاموش ہو گئی۔ میں نے ایک لمحے کے توقف سے کہا "وقوعہ والی رات ہونے والی بارش نے ساری گڑبڑ کر دی ہے ورنہ قاتل کا کچھ نہ کچھ سراغ تو مل ہی جاتا۔ نازلی بھی پراسرار انداز میں غائب ہو گئی ہے۔ ہمارے لیے بڑی دشواری پیدا ہو گئی ہے۔ کیا تم کسی ایسے شخص یا اشخاص کے بارے میں بتا سکتی ہو جو چودھری سے کوئی گہرا عناد رکھتے ہوں۔ میں جلد از جلد چودھری کے قاتل کو گرفتار کرنا چاہتا ہوں۔"
"اب کوئی فائدہ نہیں ہے" وہ عجیب سے لہجے میں بولی "آپ چودھری صاحب کے قاتل کو پکڑیں یا نہ پکڑیں' وہ زندہ تو نہیں ہو جائیں گے۔"
میں نے واضح طور پر محسوس کیا کہ اسے چودھری کی موت سے گہرا صدمہ پہنچا تھا۔ میں نے کہا "کوئی فائدہ ہو یا نہ ہو' بہرحال قاتل کو ضرور قانون کی گرفت میں آنا چاہیے۔ تم جو کچھ جانتی ہو' صاف صاف بتا دو۔ باقی سب کچھ میں سنبھال لوں گا۔"
"میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتی" وہ ٹھوس لہجے میں بولی۔
میں نے تسلی آمیز لہجے میں کہا "میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارا نام بیچ میں کہیں نہیں آئے گا۔ میں سب کچھ صیغۂ راز میں رکھوں گا۔"
وہ بے چارگی سے بولی "شاید آپ نے میری کسی بات سے کوئی غلط مطلب اخذ کر لیا ہے۔ اگر میں قاتل کے بارے میں کچھ جانتی ہوتی تو آپ کو ضرور بتا دیتی۔ وہ تو میں نے اسی لیے یہ کہہ دیا تھا کہ آپ قاتل کو پکڑیں یا نہ پکڑیں' کوئی فائدہ نہیں ہے کہ قاتل کو چاہے کتنی بھی عبرت ناک سزا کیوں نہ دی جائے' جانے والا تو واپس نہیں آ جاتا نا۔"
"تمہارا کہنا بالکل درست ہے۔" میں نے اس کی تائید کی "پھر بھی قاتلوں کو کھلا تو نہیں چھوڑا جا سکتا ورنہ دوسرے لوگوں کو بھی شہ ملے گی۔ جو قتل کے بارے میں صرف سوچ رہے ہیں' وہ بے دریغ قتل کرنے اٹھ کھڑے ہوں گے۔"
وہ دل گرفتہ لہجے میں بولی "جرم اور قانون کے پیچیدہ معاملات تو آپ ہی جانیں۔ میں تو بس اتنا جانتی ہوں کہ اگر

میں حویلی میں موجود ہوتی تو چودھری صاحب کو یہ بُرا وقت نہ دیکھنا پڑتا۔"

"گویا تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہے؟" میں نے مبہم سے انداز میں کہا۔

"غلطی!" اس نے نم آنکھوں سے مجھے دیکھا پھر جیسے خیالوں میں کھوگئی۔ کچھ دیر کے بعد اس نے خواب ناک لہجے میں کہا "شاید میں ہی غلطی پر تھی۔ کاش! میں اپنی ضد سے باز آجاتی۔"

میں نے موضوع گفتگو کا رخ تبدیل کرتے ہوئے استفسار کیا۔ "چودھری صاحب نے مشتری بائی کے کوٹھے پر جانا کب شروع کیا تھا؟"

"مجھے ٹھیک طرح سے یاد نہیں ہے۔"

میں نے گھما پھرا کر دو چار اور سوالات کیے لیکن وہ واقعی چودھری کے قاتل کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی۔ وہ صرف اسی بات پر پچھتا رہی تھی کہ اس نے حویلی سے نکل کر سنگین غلطی کی تھی اور اس بات میں کسی شک و شبے کی گنجائش باقی نہیں تھی کہ یہ سنگین غلطی اس سے سرزد کروانے میں چودھرانی فضیلت بیگم کا پورا پورا ہاتھ تھا۔ وہ انا پرست اور خود پسند عورت ایک بیٹی کا گھر اجاڑ چکی تھی اور دوسری کا بائیکاٹ کیے بیٹھی تھی۔

اسی اثنا میں چودھری خوشی محمد نے آکر اطلاع دی کہ سجاول حویلی میں پہنچ چکا تھا۔ میں نے ابھی تک خوشی محمد، چودھرانی اور نغمہ کو یہ محسوس نہیں ہونے دیا تھا کہ میں سجاول سے کس قسم کی پوچھ گچھ کرنا چاہتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اگر چودھرانی کو یہ پتا چل جاتا کہ میں اس کے ہونہار فرزند پر چودھری نیاز علی کے قتل کا شبہ کر رہا ہوں تو وہ ضرور کوئی بڑا ہنگامہ کھڑا کر دیتی۔ اس جیسی عورت سے کچھ بھی بعید نہیں تھا۔

سجاول سے میں نے بیٹھک ہی میں ملاقات کی۔ وہ اٹھارہ انیس سال کا ایک بانکا سجیلا اور گبرو جوان تھا۔ اس کو دیکھتے ہی اندازہ ہو جاتا تھا کہ وہ غصیلا اور اکھڑ مزاج ہوگا۔ اس کا قد چھ فٹ سے نکلتا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر غصے اور الجھن کے ملے جلے تاثرات تھے۔

میں خاموش نظر سے بغور اس کا جائزہ لینے لگا تو اس کی الجھن دوچند ہوگئی۔ وہ بار بار اضطراری انداز میں پہلو بدل رہا تھا۔ جب معاملہ اس کے صبر و برداشت سے باہر ہوگیا تو اس نے قدرے ناراض لہجے میں اپنے بھائی چودھری خوشی محمد استفسار کیا۔

"مجھے کس لیے یہاں بلایا گیا ہے بھائی جان؟"

خوشی محمد نے کہا "یہ ملک صاحب اپنے علاقے کے تھانے دار ہیں۔ تم سے چودھری نیاز علی کے بارے میں کچھ بات کرنا چاہتے ہیں۔"

چودھرانی کسی کام سے اٹھ کر حویلی کے اندر چلی گئی۔

سجاول نے اکھڑے ہوئے لہجے میں کہا "ہمارا چودھری نیاز علی سے کوئی تعلق واسطہ نہیں رہا۔"

"یہی بات تھوڑی دیر پہلے تمہاری ماں نے بھی کہی تھی برخوردار" میں نے اسے مسلسل گھورتے ہوئے کہا "لیکن تعلق واسطے اتنی آسانی سے نہیں ٹوٹا کرتے۔"

"ہم اس خبیث چودھری کا نام بھی نہیں سننا چاہتے" برہمی سے بولا۔

میں نے اچانک سرسراتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔ "سجاول! تم آٹھ اکتوبر کی رات کہاں تھے؟"

"آٹھ اکتوبر!" اس نے چونکنے والے انداز میں کہا۔

"ہاں، آٹھ اکتوبر!" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا "وہ رات تم نے کہاں گزاری تھی؟"

"میں۔۔۔ میرا مطلب ہے۔۔۔" وہ کچھ پریشان ہوگیا "میرا خیال ہے، میں اس رات گھر پر ہی تھا۔"

"یہ تمہارا خیال ہے یا تمہیں یقین بھی ہے؟"

"جناب، ہر شریف آدمی رات کو اپنے گھر پر ہی ہوتا ہے" اس نے قدرے تیز لہجے میں کہا "آخر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟"

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آٹھ اکتوبر کی رات تم گھر پر نہیں تھے" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "بلکہ وہ پوری رات تم نے چک چونتیس سے باہر گزاری تھی۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

وہ گھبرا گیا پھر دزدیدہ نظر سے خوشی محمد کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "جناب، مجھے یاد آرہا ہے۔۔۔ اس دن میں۔۔۔ لائل پور گیا ہوا تھا۔"

"کیا تمہیں یہ بھی یاد آرہا ہے کہ اسی رات چودھری نیاز علی قتل ہوا تھا؟"

"یہ بات مجھے دوسرے دن پتا چلی تھی۔"

خوشی محمد نے پوچھا "ملک صاحب! سجاول کے لائل پور جانے سے چودھری نیاز علی کے قتل کا کیا تعلق ہے؟"

"یہ بھی پتا چل جائے گا" میں نے کہا "ذرا میں اس برخوردار کا انٹرویو تو کرلوں" پھر میں سجاول کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"ہاں بھئی جوان!" میں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے پوچھا "آٹھ اکتوبر کی پوری رات لائل پور میں تم نے کہاں گزاری تھی؟"

"میرے ساتھ چند دوست اور بھی تھے۔" اس نے جواب دیا "ہم سیر و تفریح کرتے رہے تھے۔"

"ان دوستوں کے نام تو گنواؤ۔" میں نے اپنی ڈائری نکالتے ہوئے کہا۔

سجاول کے بتانے پر میں نے اس کے دو دوستوں، ماجد اور صفدر کے نام اپنی ڈائری میں نوٹ کرلیے پھر سوال کیا "کیا یہ دونوں افراد بھی چک چونتیس ہی کے رہنے والے ہیں؟"

"جی، وہ یہیں رہتے ہیں۔"

میں نے پوچھا "لائل پور میں تم لوگ کس قسم کی تفریح کرنے گئے تھے کہ پوری رات وہیں لگ گئی۔ ذرا مجھے بھی تو اس کی تفصیل سناؤ۔"

اس نے چور نظر سے اپنے بڑے بھائی کی طرف دیکھا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ خوشی محمد کی موجودگی میں کوئی بات کہنے سے ہچکچا رہا تھا۔ میں نے خوشی محمد کو تھوڑی دیر کے لیے وہاں سے ہٹا دیا۔ جب ہم بیٹھک میں تنہا رہ گئے تو میں نے سجاول سے پوچھا۔

"ہاں بھئی، اب شروع ہو جاؤ۔"

وہ برہمی سے بولا "کیا شروع ہو جاؤں۔ آپ خوا مخواہ مجھے پریشان کرنے آگئے ہیں!"

"ہم تمہیں پریشانی سے بچانے کے لیے خود چل کر تمہارے پاس آئے ہیں۔" اے ایس آئی وقار حسین نے اسے کڑے تیوروں سے گھورتے ہوئے کہا "ورنہ ملک صاحب چاہتے تو تمہیں گرفتار کرکے تھانے بلوا لیتے۔"

"کیوں، میں نے کیا جرم کیا ہے؟"

"جرم بھی بتا دیں گے۔" میں نے کہا "چودھری نیاز علی قتل ہو چکا ہے۔ مجھے پتا چلا ہے کہ تم اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ تم سب سے کہتے پھر رہے تھے کہ چودھری کا بُرا حشر کرو گے؟"

اے ایس آئی نے اضافہ کیا "اور جس رات چودھری قتل ہوا، تم پوری رات گھر سے باہر تھے جب کہ تم متعدد بار چودھری کو قتل کی دھمکیاں بھی دے چکے تھے۔"

"میں بتا چکا ہوں، اس رات میں لائل پور گیا ہوا تھا۔"

"ہم تمہارے بیان کی تصدیق ضرور کریں گے۔"

وہ ایک دم ہتھے سے اکھڑ گیا "تو آپ مجھ پر چودھری نیاز علی کے قتل کا شبہ کر رہے ہیں؟"

"شک و شبہ کرنا ہمارا کام ہے برخوردار۔" میں نے گمبھیر لہجے میں کہا "جو شخص کسی کو قتل کرنے کی دھمکی دیتا ہے، ہم اسے نظر انداز نہیں کرسکتے۔ ویسے بھی ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور کانوں سے سنا ہے کہ تم اپنے دل میں چودھری نیاز علی کے لیے بڑی نفرت رکھتے تھے۔"

"آپ مجھے غلط سمجھ رہے ہیں۔" وہ جلدی سے بولا "میں نے کب کہا ہے کہ مجھے چودھری نیاز علی سے نفرت تھی۔"

"تم لاکھ کہو، تمہارے غصے سے یہ بات ظاہر ہو رہی ہے۔" میں نے سخت لہجے میں کہا "تھوڑی دیر پہلے تم نے کہا تھا کہ تم خبیث چودھری نیاز علی کا نام بھی نہیں سننا چاہتے۔ اب تم کہہ رہے ہو کہ تمہارے دل میں چودھری کے لیے نفرت نہیں ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے؟"

وہ گڑبڑا گیا۔ "جناب! اس مردود چودھری کا نام تو میں اس لیے نہیں سننا چاہتا کہ اس نے ایک آوارہ اور بدمعاش عورت کی خاطر ہماری بہن کو اپنی حویلی سے نکال دیا تھا ورنہ ہماری اس سے کوئی دشمنی نہیں تھی۔"

"دشمنی اسی طرح ہو جایا کرتی ہے۔" میں نے کہا "اور میری اطلاع کے مطابق نغمہ کو چودھری نیاز علی نے حویلی سے نکالا نہیں تھا بلکہ وہ خود ہی وہاں جانا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے چودھری پر ایک کڑی شرط عائد کردی تھی جو اس کے لیے قابلِ قبول نہیں تھی۔"

سجاول نے کہا "اب ان باتوں کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔"

میں نے اس کے چہرے پر نظر ٹکاتے ہوئے پوچھا "ابھی تک تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا سجاول؟"

"کون سا سوال جی؟" وہ بیزاری سے بولا۔

میں نے اپنا سوال دہرایا "لائل پور میں تم لوگ کس قسم کی تفریح کرنے گئے تھے کہ پوری رات وہیں لگ گئی؟"

وہ متذبذب ہوا تو اے ایس آئی نے کہا "جھوٹ بولنے کی کوشش نہ کرنا جوان۔ ملک صاحب دروغ گو افراد کے ساتھ بڑی سختی سے پیش آتے ہیں۔ ایک بات ذہن میں رکھ لینا کہ ہم ماجد اور صفدر کا بیان بھی لیں گے اور لائل پور جا کر بھی ایک ایک بات کی پوچھ پرتیت کریں گے۔"

اس کے چہرے پر ایک رنگ سا آکر گزر گیا پھر اس نے قدرے دھیمے لہجے میں بتایا کہ مذکورہ رات وہ اپنے دوستوں کے ساتھ موج میلا کرنے لائل پور گیا تھا اور انہوں نے خوب سیر سپاٹا کیا تھا۔

"موج میلے اور سیر سپاٹے کی تفصیل بھی بتاؤ!" میں نے

سخت لہجے میں کہا "اور ہاں' بالکل سچی اور کھری!"

"سولہ آنے سچی جناب۔" وہ قدرے جھجکتے ہوئے بولا "ہم شام سے کچھ ہی دیر پہلے لائل پور پہنچے تھے۔ تھوڑی دیر تک گھومتے پھرتے رہے پھر گھنٹا گھر سے ہم نے رات کا کھانا کھایا۔ وہاں پر بکرے کی چانپیں اور دیسی مرغی کے تکے بڑے لذیذ ہوتے ہیں۔ کھا کر سواد آجاتا ہے۔ اس کے ہم نے ایک ہوٹل میں پستے اور باداموں والی چائے پی پھر فلم دیکھنے ایک سینما میں چلے گئے۔ ہم نے آخری شو دیکھا تھا۔ جب سینما سے باہر نکلے تو آدھی رات ہو چکی تھی۔ اس وقت ہم واپس نہیں آسکتے تھے اس لیے وہیں رک گئے۔"

"وہاں کہاں رک گئے تھے؟" میں نے سوال کیا "کیا کسی ہوٹل میں؟"

"میں تو ہوٹل میں رکنا چاہتا تھا۔" وہ جز بز ہو کر بولا۔ "لیکن صفدر اور ماجد گول بازار جانا چاہتے تھے۔ میں ان کی بات کو رد نہ کرسکا اور ہم نے وہ رات گول بازار کے ایک گھر میں ہی گزاری تھی۔"

"گھر میں یا کوٹھے پر؟"

جواب دینے سے پہلے اس نے محتاط نظر سے بیٹھک کے دروازے کی طرف دیکھا پھر بولا "آپ تو خود سمجھ دار ہیں۔ اب چھوڑیں بھی اس ذکر کو۔"

میں نے دوستانہ لہجے میں پوچھا "کیا تم پہلے بھی لائل پور کے گول بازار میں ایسی راتیں گزار چکے ہو؟"

اس نے ایک مرتبہ پھر بیٹھک کے دروازے کی جانب دیکھا اور جواب دیا "کبھی کبھار چلا جاتا ہوں جناب۔"

وہ آہستہ آہستہ کھل رہا تھا۔ میں نے نرمی کا لہجہ برقرار رکھتے ہوئے پوچھا "تم فکر نہ کرو۔ تمہاری والدہ اور بڑے بھائی کو ان باتوں کی ہوا بھی نہیں لگنے دوں گا۔"

"بہت بہت شکریہ جناب آپ کا۔" وہ ممنونیت سے بولا۔

میں نے پوچھا "تم دوسرے دن کتنے بجے واپس آئے تھے؟"

اس نے بتایا "تقریباً دس بجے ہم چک پہنچ گئے تھے۔"

"چودھری نیاز علی کے قتل کے بارے میں تمہیں کب پتا چلا تھا؟"

"اسی روز شام کے وقت۔"

"مجھے پتا چلا ہے کہ تم لوگوں میں سے کوئی بھی چک بتیس نہیں گیا تھا۔"

"ہم نے وہاں جا کر کیا کرنا تھا۔" وہ بے پروائی سے بولا۔

"وہ تمہاری بہن سلمٰی کی سسرال بھی تو ہے؟"

"سلمٰی ان کے رنگ ڈھنگ میں ڈھل چکی ہے۔" اس نے سرسری انداز میں کہا "ہم اس کی فکر میں کیوں دبلے ہوتے رہیں۔"

میں نے اچانک پوچھا "تم آٹھ اکتوبر کی رات گول بازار کے کس کوٹھے پر گئے تھے؟"

"نگینہ بائی کے کوٹھے پر۔" اس نے بے دھڑک جواب دیا۔

اس کا مطلب یہی تھا کہ وہ اکثر و بیشتر وہاں جاتا رہتا تھا اور وہاں کے کوٹھوں اور کوٹھے والیوں کو بھی اچھی طرح جانتا تھا۔ مجھے نازلی کے سلسلے میں تفتیش کرنے گول بازار تو جانا ہی تھا۔ میں نے سوچا نگینہ بائی کے کوٹھے پر بھی جھانک لوں گا تاکہ سجاول کے سچ جھوٹ کا بھی پتا چل جائے۔

میں نے سجاول کو مخاطب کرتے ہوئے کڑے لہجے میں کہا "تم یہ مت سمجھ لینا کہ میں آنکھیں بند کرکے تمہاری کہانی پر یقین کرلوں گا۔ میں گول بازار جا کر نگینہ بائی سے بھی ملوں گا اور تمہارے دوستوں' ماجد اور صفدر کا بیان بھی لوں گا۔ اگر ایک بھی بات جھوٹ نکلی تو سمجھ لینا' میں تمہیں چودھری نیاز علی کے قتل کے الزام میں گرفتار کرکے حوالات میں ڈال دوں گا۔"

وہ بے خوفی سے بولا "آپ جس طرح چاہیں' تصدیق کرلیں۔ میں نے ایک سو ایک فیصد سچ بولا ہے۔"

"اوئے' ایک سو ایک فیصد سچ کیسے؟" اے ایس آئی نے پوچھا۔

"میرا مطلب ہے' میں نے آپ سے کچھ بھی چھپانے کی کوشش نہیں کی۔" سجاول نے جواب دیا۔

میں نے کہا "سجاول! جب تک تمہارے بیان کی تصدیق نہیں ہوجاتی' اس وقت تک تم چک بتیس سے باہر قدم نہیں نکالو گے۔"

"پھر تو بڑی مشکل ہوجائے گی جناب۔" وہ الجھن آمیز لہجے میں بولا۔

"کیوں' ایسی کیا مشکل ہے؟" میں نے پوچھا۔

اس نے بتایا "آج کل فصل کی بوائی چل رہی ہے۔ مجھے اکثر چک سے باہر دور دراز کھیتوں میں بھی جانا پڑتا ہے پھر کبھی جھنگ اور کبھی لاہور کا بھی چکر لگ جاتا ہے۔ کھیتی باڑی کے تمام معاملات کی نگرانی میرے ہی ذمے ہے۔"

"اس میں پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔" میں نے تشفی آمیز لہجے میں کہا "چک چونتیس کے قرب و جوار تک

جانے کے لیے تو تم آزاد ہو لیکن اگر کسی دوسرے ضلع یا دور دراز کے گاؤں جانے کا ارادہ ہو تو تھانے میں مجھے اطلاع دیے بغیر نہ نکلنا ورنہ نتائج کی ذمے داری تم پر ہوگی۔"

"آپ جو کہیں گے، میں وہی کروں گا۔"

اسی وقت چودھری خوشی محمد بھی بیٹھک میں چلا آیا پھر برائے ہوئے لہجے میں بولا "ملک صاحب! خیر تو ہے۔ کیا سجاول سے خدانخواستہ کوئی سنگین غلطی ہوگئی ہے؟"

میں نے گول مول جواب دیا "اس کا فیصلہ بہت جلد ہوجائے گا۔"

"میں جاؤں ملک صاحب!" سجاول نے اضطراری انداز میں پوچھا "مجھے وہاں کھیتوں میں بہت کام ہے۔"

"ٹھیک ہے، تم جاؤ مگر میری ہدایت کو یاد رکھنا۔"

"اچھا جی۔" اس نے سر جھکا کر کہا اور حویلی کے اندرونی حصے کی جانب چلا گیا۔

خوشی محمد نے پوچھا "جناب، مجھے تو کچھ بتائیں۔ آخر سجاول کا کیا چکر ہے۔"

میں نے کہا "زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ دو چار دن میں صورتِ حال واضح ہوجائے گی۔"

وہ میرے جواب سے مطمئن نہ ہوا اور دوسرے زاویے سے مجھے کریدنے کی کوشش کرنے لگا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ چودھری خوشی محمد ایک معقول اور مصلحت کوش انسان تھا۔ میں نے کسی حد تک اسے صورتِ حال سے آگاہ کردیا۔ پوری بات سننے کے بعد اس نے بڑے وثوق سے کہا۔

"ملک صاحب! سجاول اتنا بڑا قدم نہیں اٹھا سکتا۔ آپ اپنے طور پر جس طرح چاہیں تصدیق و تفتیش کرلیں۔ وہ غصہ ور اور جھگڑالو تو ہے لیکن قتل جیسا سنگین جرم وہ کبھی نہیں کرسکتا۔ اسے نغمہ کے اجڑنے کا جو غم و غصہ تھا، وہ اب ماند پڑچکا ہے۔"

دو چار مزید باتوں کے بعد ہم اٹھ گئے۔ چودھری خوشی محمد کا اصرار تھا کہ ہم کھانا کھا کر جائیں لیکن میں جلد از جلد واپس تھانے پہنچنا چاہتا تھا اس لیے چودھری خوشی محمد کی کھانے کی دعوت کو خود پر ادھار اٹھا کر ہم چک چونیس سے نکل آئے۔

جب ہم واپس تھانے پہنچے تو عصر کی اذانیں ہو رہی تھیں۔

○☆○

اگلے روز باوجود کوشش کے بھی میں لائل پور نہ جاسکا۔ تھانے میں اس قدر مصروفیت رہی کہ سر کھجانے کی بھی فرصت نہ مل سکی۔ دو چار ہنگامی نوعیت کے معاملات نمٹاتے نمٹاتے سہ پہر ہوگئی۔

میں اپنے کمرے میں بیٹھا بلوے کے ملزمان کا بیان لکھ رہا تھا کہ ایک کانسٹیبل نے اندر آکر بتایا "ملک صاحب، تمسو نامی ایک شخص آپ سے ملنا چاہتا ہے۔"

"کیوں ملنا چاہتا ہے، تم نے پوچھا نہیں؟"

"پوچھا تھا جناب۔" کانسٹیبل نے جواب دیا "وہ کہتا ہے، سب کچھ آپ کو ہی بتائے گا۔"

"کہاں سے آیا ہے وہ؟"

"چک بتیس سے جناب۔"

چک بتیس کے ذکر پر میں چونک اٹھا۔ میں نے کانسٹیبل سے پوچھا "کیا نام بتایا ہے تم نے اس شخص کا؟"

"تمسو جناب۔"

"ٹھیک ہے، تم دس منٹ کے بعد اسے اندر بھیج دو۔"

ٹھیک دس منٹ کے بعد جو شخص میرے کمرے میں داخل ہوا، وہ ایک سیاہ رو اور چیچک زدہ چہرے کا مالک تھا۔ اس نے بتایا کہ وہ چک بتیس میں رہتا تھا اور چودھری نیاز علی کے قتل کے بارے میں کوئی خاص بات بتانا چاہتا تھا۔ تمسو نام کا وہ شخص ایک موچی تھا اور مذکورہ چک میں ہی اس کی ایک چھوٹی سی دکان بھی تھی۔

رسمی کلمات کے بعد میں نے پوچھا "تم اس واردات کے بارے میں کیا اطلاع دینا چاہتے ہو تمسو؟"

"جناب! پتا نہیں، میری بات کی کوئی اہمیت بھی ہے یا نہیں۔" وہ عاجزی سے بولا "لیکن میں نے ضروری سمجھا اس لیے آپ کے پاس چلا آیا۔"

"اہم اور غیر اہم کا فیصلہ میں خود کرلوں گا۔" میں نے کہا "تم بات بتاؤ۔"

وہ بولا "جناب، جس رات چودھری صاحب قتل ہوئے تھے، اسی شام دو آدمی چودھری صاحب کی حویلی کا پتا مجھ سے پوچھنے آئے تھے۔"

میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا "کون تھے وہ دو افراد؟"

"میں نے انہیں پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔"

"کیا وہ چک بتیس کے رہنے والے نہیں تھے؟"

"نہ جی۔" تمسو موچی نے نفی میں سر ہلایا "اگر وہ ہمارے چک کے لوگ ہوتے تو میں انہیں فوراً پہچان لیتا پھر چک بتیس کا تو بچہ بچہ چودھری صاحب کی حویلی سے واقف ہے۔ وہ کسی دوسرے ہی علاقے کے لگتے تھے۔"

"تمہارے علاوہ بھی انہوں نے کسی سے حویلی کا پتا پوچھا تھا؟"

"یہ تو مجھے نہیں پتا جناب۔" شمسو موچی نے کہا۔ "لیکن میں نے انہیں جتنی تفصیل سے حویلی کا پتا سمجھایا تھا اس کے بعد انہیں کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی۔"

"ان کا حلیہ کیسا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"وہ دونوں شکل ہی سے چھٹے ہوئے بدمعاش نظر آتے تھے۔" شمسو موچی نے جواب دیا۔ "ایک کی عمر لگ بھگ تیس سال تھی۔ وہ دراز قامت تھا اور اس نے اپنا نام رنگو بتایا تھا۔"

"اور دوسرا؟" میں نے جلدی سے پوچھا۔

شمسو بولا "دوسرے کا نام جبرو تھا۔ اس کا قد خاصا چھوٹا تھا لیکن جثہ بھاری بھرکم تھا۔ اس کی عمر اندازاً چھبیس ستائیس سال تھی۔"

"انہوں نے تمہیں اپنے نام خود ہی بتائے تھے؟"

یہ خیال میرے ذہن میں اس لیے آگیا کہ کسی بری نیت سے چک بتیس میں داخل ہونے والے ان دو افراد کو اپنے نام بتانے کی ضرورت نہیں تھی اور اگر کسی کے استفسار پر انہوں نے بتائے بھی ہوں گے تو وہ فرضی ہی رہے ہوں گے۔

شمسو نے میرے سوال کا جواب دیا "جناب، میں نے خود ان سے ان کے نام پوچھے تھے۔"

میں نے پوچھا "شمسو! تم نے بتایا ہے کہ وہ دونوں شکل وصورت سے غنڈے دکھائی دیتے تھے۔ اس کے باوجود بھی تم نے انہیں چودھری نیاز علی کی حویلی کا رستہ دکھا دیا؟"

"او جناب! چودھری صاحب سے تو ہر قسم کے لوگ ملنے آتے ہی رہتے تھے۔" وہ سادگی سے بولا "کیا مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی؟"

میں نے اس کے سوال کو نظرانداز کرتے ہوئے پوچھا۔ "اس روز کے بعد وہ دونوں پھر تمہیں چک بتیس میں تو نظر نہیں آئے؟"

"نہیں جناب۔" شمسو نے نفی میں گردن جھٹکتے ہوئے جواب دیا "نہ اس دن سے پہلے اور نہ اس دن کے بعد۔"

میں نے پوچھا "شمسو! اگر تم دوبارہ ان کو دیکھو تو پہچان لوگے؟"

ایک لمحہ سوچنے کے بعد اس نے جواب دیا "جی ضرور، میں انہیں ایک نظر دیکھ کر ہی پہچان لوں گا۔"

"تم نے یہ اہم اطلاع اتنی تاخیر سے کیوں دی ہے؟" میں نے اسے سرزنش کی "اب تو چودھری نیاز علی کے قتل کو کئی روز گزر چکے ہیں۔"

"وہ جی بس میرے دماغ سے یہ بات نکل گئی تھی۔"

میں نے کہا "اور کوئی خاص بات تمہیں معلوم ہو تو وہ بھی جلدی سے بتادو۔"

وہ پیشانی کو تھام کر سوچنے لگا۔ میں نے اس کی مشکل حل کرتے ہوئے کہا "خاص طور پر کوئی ایسی بات جو ان دو مشکوک افراد کے بارے میں ہو۔"

اس نے چونکتے ہوئے بتایا "وہ دونوں آپس میں باتیں کرتے ہوئے کسی ملک نظام دین کا ذکر کررہے تھے۔ ایک دو مرتبہ ان کی زبان سے شاہ پور کا نام بھی نکلا تھا۔"

میں نے شاہ پور، ملک نظام دین اور رنگو اور جبرو کے نام اپنے پاس نوٹ کرلیے اور دوچار رسمی باتوں کے بعد شمسو موچی کو رخصت کردیا۔ میں نے پولیس سے تعاون کرنے پر اس کا شکریہ بھی ادا کیا۔

شمسو کے جانے کے بعد میں نے دو سادہ پوش پولیس اہل کاروں کو فوراً چک بتیس روانہ کردیا۔ میں نے انہیں ساری بات اور رنگو جبرو کے حلیے بالتفصیل سمجھادیے تھے۔ انہوں نے چک بتیس میں اپنے طور پر نہایت ہی محتاط انداز میں یہ معلوم کرنا تھا کہ آٹھ اکتوبر کی شام مذکورہ دونوں مشکوک افراد نے شمسو موچی کے علاوہ بھی کسی سے مقتول چودھری نیاز علی کی حویلی کا پتا پوچھا تھا یا نہیں!

دونوں سادہ لباس پولیس اہل کار صبح ہی صبح دوسرے روز واپس آئے۔ ان کی تحقیق کے مطابق جبرو یا رنگو نامی کسی شخص نے اس روز کسی بھی شخص سے چودھری نیاز علی یا اس کی حویلی کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا تھا۔ اب یا تو وہ دونوں صرف شمسو موچی ہی سے حویلی کا پتا پوچھ کر وہاں پہنچ گئے تھے یا پھر شمسو نے غلط بیانی سے کام لیا تھا۔ میں کافی دیر تک سوچتا رہا کہ جھوٹ گوئی سے شمسو کو کیا فائدہ پہنچ سکتا تھا لیکن میرے ذہن میں کوئی بات واضح نہ ہوسکی۔

تقریباً دس بجے میں نے حوالدار بہادر علی کو ساتھ لیا اور ہم گھوڑوں پر سوار ہوکر چک بتیس کی جانب روانہ ہوگئے۔

چودھری ریاض علی نے حویلی میں ہمارا استقبال کیا۔ مجھے معلوم ہوا کہ چھوٹا چودھری اکرم علی حویلی میں موجود نہیں تھا۔ میں نے ریاض علی سے پوچھا۔

"اکرم علی کدھر گیا ہوا ہے؟"

"وہ کل سے لاہور گیا ہوا ہے۔" اس نے جواب دیا۔

میں نے پوچھا "وہ کسی خاص کام سے گیا ہے؟"

"اس نے مجھے کام کے بارے میں تو کچھ نہیں بتایا۔" وہ

کچھ سوچتے ہوئے بولا "میرا خیال ہے، گھومنے پھرنے گیا ہوگا۔"

"کیا وہ پہلے بھی لاہور جاتا رہتا ہے؟"

"کبھی کبھار چلا جاتا ہے۔"

"لاہور میں آپ کے کوئی رشتے دار وغیرہ بھی رہتے ہیں؟"

"نہیں جناب۔" ریاض علی نے نفی میں جواب دیا۔ "ہمارے سارے رشتے دار جھنگ، سرگودھا اور ٹوبہ ٹیک سنگھ میں رہتے ہیں۔"

"پھر تو اکرم علی سیر و تفریح کے لیے ہی لاہور گیا ہوگا۔" میں نے خیال آرائی کرتے ہوئے کہا۔

"یہی ہو سکتا ہے۔" ریاض علی نے کہا "اس کے دو چار یار دوست وہاں رہتے ہیں۔" ایک لمحے کے توقف سے اس نے پوچھا "ملک صاحب! بھائی صاحب کے قاتل کا کچھ پتا چلا؟"

"ابھی تک تو کچھ پتا نہیں چلا۔" میں نے کہا "تفتیش جاری ہے۔ انشاءاللہ بہت جلد سراغ مل جائے گا۔"

"نازلی کی کوئی خیر خبر ملی؟"

"نہیں، ابھی اس طرف بھی اندھیرا ہے۔" میں نے سادہ سے لہجے میں جواب دیا "میں کل لائل پور کے گول بازار کا چکر لگاؤں گا۔"

"میرے لائق جو بھی خدمت ہو، بتائیں۔" ریاض علی نے تعاون آمیز لہجے میں کہا "میں ہر قسم کی مدد کے لیے تیار ہوں۔"

"میں اسی سلسلے میں آیا ہوں۔"

"جی حکم ملک صاحب!" اس نے مؤدب انداز میں کہا پھر اسے جیسے کچھ یاد آگیا، فوراً اٹھ کر کھڑا ہوگیا "ٹھہریں، پہلے میں آپ کے لیے کھانے پینے کا بندوبست کرتا ہوں۔"

میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا "ایسے کسی بھی بندوبست کی فی الحال ضرورت نہیں ہے۔ میں جب تک تمہارے بھائی کے قاتل کو گرفتار نہ کرلوں، اس حویلی کا پانی بھی مجھ پر جائز نہیں ہے۔"

میرے لہجے کی تاثیر نے اسے متاثر کیا اور وہ خاموشی سے بیٹھ گیا۔ میں نے اس کے چہرے پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

"مجھے پتا چلا ہے، جس رات چودھری نیاز علی کا قتل کیا گیا اسی شام دو اجنبی افراد آپ کی حویلی کا پتا پوچھتے پھر رہے تھے؟"

"یہ میرے لیے بالکل نئی اطلاع ہے۔" ریاض علی نے چونکتے ہوئے کہا "میں اس وقت سرگودھا گیا ہوا تھا لیکن بہرحال بعد میں تو یہ بات میرے علم میں آنا چاہیے تھی۔ آپ کو کس نے یہ بات بتائی ہے؟"

میں نے کہا "ہم عام طور پر اپنی معلومات کے ذرائع بتایا نہیں کرتے لیکن چوں کہ یہ اطلاع آپ کے گاؤں ہی کے ایک بندے نے ہم تک پہنچائی ہے اس لیے نام بتادینے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔"

ریاض علی نے سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا، میں نے کہا۔ "اس بندے کا نام گامو موچی ہے۔"

"ہاں، اس نام کا ایک موچی ہمارے چک میں ہے تو۔" ریاض علی نے کہا "میں ذرا بھابی جمیلہ سے اس بارے میں پوچھتا ہوں۔"

وہ اٹھ کر حویلی کے اندرونی حصے میں چلا گیا اور تھوڑی دیر کے بعد اس نے آکر بتایا کہ جمیلہ بھی ان دونوں اجنبی افراد کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔

میں نے کہا "ان دونوں افراد کے نام ہمیں رنگو اور جبرو معلوم ہوئے ہیں۔ کیا تم ان ناموں کے افراد کو جانتے ہو؟"

وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا "یہ نام میں نے پہلی مرتبہ سنے ہیں۔"

"اور ملک نظام دین؟"

"نہیں جناب، میں اسے بھی نہیں جانتا۔"

میں نے کہا "تم اپنی بھابی جمیلہ کو یہاں بلالو یا پھر اس سے پوچھ کر آؤ، آیا وہ رنگو یا جبرو یا نظام دین ملک میں سے کسی کو کسی بھی حوالے سے جانتی ہے؟"

وہ ایک مرتبہ پھر اٹھ کر اندر گیا اور واپس آکر بتایا کہ جمیلہ ان تینوں ناموں سے ناواقف ہے۔ میں نے پوچھا "اکرم علی لاہور سے کب تک واپس آئے گا؟"

"امید ہے، ایک آدھ دن میں آہی جائے گا۔"

"وہ آئے تو اس سے بھی ان مشکوک افراد کے بارے میں ضرور پوچھنا۔" میں نے تاکیدی لہجے میں چودھری ریاض سے پوچھا "ممکن ہے، اسے کچھ معلوم ہو۔"

"میں آپ کی ہدایت کے بہ موجب عمل کروں گا۔" ریاض علی نے یقین دلانے والے انداز میں کہا "بلکہ میں اسے آپ کے پاس تھانے بھیج دوں گا۔"

میں نے کہا "ریاض علی! میں تمہارے مقتول بھائی کی خواب گاہ کو ایک مرتبہ پھر دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"کوئی خاص بات ہے کیا؟"

"ہاں خاص بات ہی ہے۔" میں نے مبہم سا جواب دیا۔

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا "آئیں میرے ساتھ۔"

میں نے حوالدار بہادر علی کو وہیں بیٹھنے کو کہا اور خود، چودھری ریاض علی کے ساتھ مقتول چودھری کی خواب گاہ بہ الفاظِ دیگر قتل گاہ میں پہنچ گیا۔ میں نے سرسری سی نگاہ سے خواب گاہ کا جائزہ لیا اور پھر ایک دیوار کے مخصوص حصے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"یہاں پر میں نے چودھری نیاز علی کی ایک تصویر لگی دیکھی تھی۔ وہ اب نظر نہیں آرہی؟"

"ہاں، دیکھی تو میں نے بھی تھی۔" وہ پُرسوچ انداز میں بولا "اس تصویر میں وہ اپنی تیسری بیوی نازلی کے ساتھ تھے۔"

"ہاں ہاں، بالکل وہی۔" میں نے تصدیقی لہجے میں کہا۔ "کہاں گئی وہ تصویر؟"

"میں گھر والوں سے پوچھتا ہوں۔"

اسی وقت خواب گاہ کے ایک کونے سے جمیلہ کی آواز ابھری "وہ تصویر میں نے یہاں سے اتار کر بڑے ٹرنک میں رکھ دی تھی۔"

وہ جانے کب سے ہمارے پیچھے وہاں آگئی تھی۔ مجھے پہلی مرتبہ اس کی موجودگی کا احساس ہوا تھا اور یہی کیفیت چودھری ریاض علی کی بھی تھی۔

میں نے جمیلہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "مجھے اس تصویر کی اشد ضرورت ہے۔"

وہ بولی "میں ابھی لے کر آتی ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد جمیلہ نے مذکورہ فریم شدہ تصویر لا کر مجھے تھما دی۔ میرے چہرے کے تاثرات کو دیکھتے ہوئے چودھری ریاض علی نے پوچھا "کیا آپ اس تصویر کی مدد سے بھائی صاحب کے قاتل تک پہنچنا چاہتے ہیں؟"

"کچھ ایسا ہی سمجھ لو۔"

"کیا کوئی جادو ٹونے کا چکر ہے؟"

"نہیں بھئی، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا "میں جادو ٹونے کے مقابلے میں عملی جدوجہد پر ایمان رکھتا ہوں۔"

میں نے وہ تصویر ایک خاص مقصد سے حاصل کی تھی جس کا ذکر بعد میں مناسب موقع پر آئے گا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں حوالدار بہادر علی کے ہم راہ چودھری کی حویلی سے نکل کر تھانے کی جانب روانہ ہو چکا تھا۔

○☆○

گول بازار جانے کے لیے ہم علی الصباح تھانے سے روانہ ہوئے تھے۔ اس وقت سب انسپکٹر افضل شاہ میرے ساتھ تھا۔ ہم نے سب سے پہلے نگینہ بائی کے کوٹھے کا رخ کیا اور پوچھتے پاچھتے وہاں پہنچ گئے۔ یہ وہ دنیا تھی، جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی تھیں لہٰذا اس وقت نگینہ بائی کا کوٹھا بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔ میرا یہاں آنے کا مقصد محض اس بات کی تصدیق کرنا تھا کہ آٹھ اکتوبر کی رات سجاول نے اپنے ساتھیوں ماجد اور صفدر کے ہم راہ یہاں رات گزاری تھی یا نہیں۔ میری نگینہ بائی سے کیا کیا باتیں ہوئیں اور میں نے کس طرح اپنی مطلوبہ معلومات حاصل کیں اس کی تفصیلات میں صفحات کی تنگی کے باعث آپ کی خدمت میں پیش کرنے سے قاصر ہوں۔ مختصر الفاظ میں یوں سمجھ لیں کہ نگینہ بائی نے مذکورہ رات میں سجاول اور اس کے سنگی ساتھیوں کی اپنے کوٹھے پر موجودگی کی تصدیق کر دی تھی۔ چنانچہ سجاول کا نام مشکوک افراد کی لسٹ میں سے خود بہ خود خارج ہو گیا۔

ہمارا اگلا اور سب سے اہم ٹارگٹ مشتری بائی کا کوٹھا تھا۔ مذکورہ کوٹھا تلاش کرنے میں ہمیں کسی دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ مشتری بائی گول بازار کی بڑی مشہور و معروف "شخصیت" تھی۔

ڈیوڑھی کے دروازے پر ایک خوب صورت چلمن پڑی ہوئی تھی۔ ہمارا استقبال ایک بنی سنوری عورت نے کیا۔ اس کی عمر لگ بھگ تیس سال تھی۔ اس نے خود کو دل کش اور خوب صورت بنانے کے لیے اچھا خاصا میک اَپ چہرے پر تھوپ رکھا تھا۔ اس کے باوجود بھی اس کے چہرے پر ایک عجیب سی پھٹکار اور نحوست پائی جاتی تھی۔

ہم اس وقت سادہ لباس میں تھے۔ وہ ہم پر نظر پڑتے ہی جھک کر بولی "آئیے آئیے، تشریف لائیے۔ حضور، اس وقت کیسے راستہ بھول گئے۔"

وہ اس انداز میں بات کر رہی تھی جیسے ہم اس کے پرانے شناسا ہوں۔ میں نے کہا "ہم مشتری بائی سے ملنے آئے ہیں۔ وہ کس طرف ہے؟"

"وہ اندر ہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی "آپ آئیں میرے ساتھ۔"

ہم اس عورت کی راہ نمائی میں زینے طے کر کے بالا خانے پر پہنچ گئے۔ وہاں ایک کمرے میں ہارمونیم، سارنگی، طبلے اور مختلف قسم کے ساز رکھے ہوئے تھے۔ فرش پر اجلی چاندنی بچھی ہوئی تھی اور چاروں دیواروں کے ساتھ گاؤ تکیے لگے ہوئے تھے۔ وہ خاصا کشادہ کمرا تھا۔ غالب امکان یہی تھا کہ وہ رقص و سرود کے لیے مختص تھا۔ اس وقت ویرانی نے

وہاں ڈیرا جما رکھا تھا۔

اس ہال نما کمرے سے گزر کر ہم آگے بڑھے تو اس عورت نے ایک دروازے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے ہمیں مطلع کیا "بائی جی، اس کمرے میں ہیں۔"

ہم اندر داخل ہو گئے۔ وہ کمرا ڈرائنگ روم اور بیڈ روم کی ملی جلی شکل تھا۔ ایک عمر رسیدہ عورت بھڑکیلا لباس زیب تن کیے ایک منقش مسہری پر نیم دراز تھی اور بالکل مردانہ انداز میں، اپنے سامنے رکھے ہوئے حقے سے کش لگا رہی تھی۔ وہ بھاری تن و توش کی مالک ایک ٹھسے دار عورت تھی۔ اس کے ٹھسکے اور شان و شوکت کو دیکھتے ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ مشتری بائی ہی تھی۔ کمرے میں اس کے علاوہ استاد ٹائپ کا ایک شخص بھی موجود تھا۔

ہمارے ساتھ آنے والی عورت نے ہمیں اس کمرے کے ایک صوفے پر بٹھایا اور خود بھی ہمارے قریب ہی بیٹھ گئی۔ اس کی حرکات و سکنات سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ ہمیں بھی کوئی گاہک ہی سمجھ رہی تھی۔

مشتری بائی نے نگاہ اٹھا کر ہمیں دیکھا پھر سوالیہ نظر سے ہمارے ساتھ آنے والی عورت کو دیکھنے لگی۔ وہ جلدی سے بولی "بائی جی! یہ خاص طور پر آپ سے ملنے آئے ہیں۔"

میں نے تعارف کراتے ہوئے کہا "میرا نام ملک صفدر حیات ہے۔ یہ میرے ساتھ ایس آئی افضل شاہ ہے۔ ہم ایک خاص مقصد سے آپ کے پاس آئے ہیں۔" پھر میں نے اس استاد ٹائپ آدمی کی طرف دیکھتے ہوئے اضافہ کیا "ہم تنہائی میں آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔"

مشتری بائی نے اس عورت اور مرد دونوں کو وہاں سے چلے جانے کا حکم دیا پھر میری جانب دیکھتے ہوئے بولی "سب انسپکٹر کا تعارف تو آپ نے کروا دیا لیکن اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا؟"

میں نے کہا "میں اس تھانے کا انچارج ہوں جہاں افضل شاہ سب انسپکٹر ہے۔"

"اوہ تھانے دار صاحب!" وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی "کہیے، کیسے تشریف آوری ہوئی؟"

"ہم ایک قتل کے کیس کی تفتیش کر رہے ہیں۔"

"اللہ خیر کرے، کون قتل ہو گیا ہے؟"

میں نے بتایا "چودھری نیاز علی ساکن چک نمبر بتیس۔"

"کیا کہا!" اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

میں نے اضافہ کیا "اور ہمیں نازلی کی تلاش ہے۔"

"نازلی!" اس نے خواب ناک لہجے میں کہا اور خیالوں میں کھو گئی۔ کافی دیر تک وہ گم صم سی رہی پھر جیسے اسے ہوش آیا، جلدی سے مستفسر ہوئی "نازلی کو کیا ہوا ہے؟"

"یہ تو اسی وقت پتا چلے گا جب وہ ہمارے ہاتھ آئے گی۔"

"ہاتھ آئے گی کیا مطلب؟"

میں نے بتایا "چودھری نیاز علی قتل ہو چکا ہے اور نازلی اسی روز سے غائب ہے۔"

اس نے پوچھا "یہ کب کی بات ہے؟"

میں بغور اس کی ایک ایک حرکت کا جائزہ لے رہا تھا۔ مجھے اس کے ردعمل پر کہیں بھی مصنوعی پن یا اداکاری نظر نہیں آئی۔ یا تو وہ کمال کی اداکارہ تھی یا پھر وہ واقعی چودھری نیاز علی کے قتل اور نازلی کی پراسرار روپوشی سے ناواقف تھی۔

میں نے مختصر مگر جامع الفاظ میں اسے چودھری نیاز علی کو پیش آنے والے واقعات کے بارے میں بتایا۔ وہ پوری توجہ سے ایک ایک بات سنتی رہی۔ جب میں اپنا بیان ختم کر چکا تو اس نے ایک ٹھنڈی سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔

"ہائے ظالم! تم کہاں ہو؟"

میں فوری طور پر نہ سمجھ سکا کہ وہ کس ظالم کو اتنے حسرت ناک انداز میں یاد کر رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ سحر زدہ سی آواز میں بولی "اس کوٹھے کی ساری رونقیں نازلی کے دم سے تھیں۔ جب سے وہ گئی ہے، یہ کوٹھا اجڑ کر رہ گیا ہے۔ میرے پاس ایک سے ایک طرح دار لڑکی موجود ہے لیکن وہ بات کہاں جو نازلی کے دم سے تھی۔ وہ تو چودھویں کا چاند تھی۔ باقی سب ستارے ہیں۔"

میں نے کہا "جب تمہاری جان اور تمہارے کوٹھے کی آن بان نازلی میں اٹکی ہوئی تھی تو پھر تم نے اس کا سودا ہی کیوں کیا تھا؟"

"میں کیا کرتی۔" وہ بے بسی سے بولی "یہاں سب خریدار بن کر آتے ہیں۔ نازلی پر بھی وہ بڈھا کھوسٹ چودھری نیاز علی مر مٹا تھا۔ اسے اپنی حویلی کی زینت بنانا چاہتا تھا پھر اس نے رقم بھی اتنی لگا دی تھی کہ میں لالچ میں آ گئی۔ وہ ڈھائی ہزار روپے میرے ہاتھ میں تھما کر نازلی کو لے کر چلتا بنا۔ میں نے اپنے ہاتھوں کو نوٹوں سے بھر کر نازلی کو ہاتھ سے کھو دیا۔ کاش اس وقت میری مت نہ ماری گئی ہوتی۔ نازلی میرے پاس رہتی تو میں کئی ہزار کما سکتی تھی۔ اس کا قدم بڑا ... برکت والا تھا۔ اس کے جانے سے تو یہاں کی بہار پر بھی خزاں آ گئی ہے۔ ایک طرف میں نے اپنا سکھ چین کھویا

دوسری جانب دشمنیاں الگ مول لیں۔" وہ اچانک خاموش ہو کر خلا میں تکنے لگی۔

میں نے اسے متوجہ کرتے ہوئے پوچھا "تم کون سی دشمنیوں کا ذکر کر رہی ہو مشتری بائی؟"

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولی "کس کس دشمنی کا بیان کروں تھانے دار صاحب! ایک خلقت نازلی کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑی ہوئی تھی۔ اس کے بے شمار دیوانے تھے۔ ملک نظام دین تو خون خرابے پر اتر آیا تھا۔"

مجھے ایک دم جھٹکا سا لگا۔ ملک نظام دین کا نام سن کر میں الرٹ ہو گیا تھا۔ میں نے جلدی سے پوچھا "یہ ملک نظام دین کا کیا قصہ ہے؟"

"وہ بھی نازلی کا طلب گار تھا۔" مشتری بائی نے بتایا "وہ مجھے تین ہزار روپے دینے کو تیار تھا لیکن اس نے یہ پیش کش کرنے میں بہت دیر کر دی تھی۔ میں چودھری نیاز علی کو زبان دے چکی تھی' اپنی زبان سے نہیں پھر سکتی تھی" وہ ایک لمحے کو رک کر بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"ملک صفدر حیات صاحب! میں نے انیس سو دو میں اپنے پیروں میں گھنگرو باندھے تھے جو بڑے تواتر کے ساتھ انیس سو بیس تک ہر رات چھنکتے رہے۔ میرے کوٹھے پر ہر قسم کے افراد آتے رہے۔ بھنگی چمار سے لے کر ڈپٹی کمشنر تک' میں سب کو سر آنکھوں پر بٹھاتی رہی لیکن کوئی ایک شخص بھی یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ میں نے کبھی وعدہ خلافی کی ہو پھر میں چودھری نیاز علی کو زبان دے کر کیسے مکر جاتی لیکن ملک نظام دین یہی چاہتا تھا اور جب میں نے اس کا مطالبہ ماننے سے صاف انکار کر دیا تو وہ ہنگامہ آرائی پر اتر آیا تھا۔ بہرحال میں نے کسی نہ کسی طرح صورت حالات کو سنبھال لیا تھا۔ اس کے علاوہ بھی نازلی کے کئی با اثر طلب گار مجھے دھمکیاں دیتے رہے کہ وہ مجھے جان سے مار دیں گے۔ آخر کس کس کا ذکر کروں؟"

اس کا طویل جذبات انگیز بیان ختم ہوا تو میں نے کہا "فی الحال تم ملک نظام دین کا ذکر ہی کرو۔"

وہ حیرت سے آنکھیں پھیلا کر مجھے دیکھنے لگی۔ میں نے پوچھا "ملک نظام دین کا جغرافیہ کیا ہے؟"

اس کی آنکھوں میں الجھن تیر گئی۔ میں نے واضح طور پر محسوس کیا کہ وہ میری بات کا مطلب نہیں سمجھ سکی تھی۔ میں نے اپنی بات کی وضاحت کی تو اس نے بتایا "ملک نظام دین موضع شاہ پور کا رہنے والا ہے۔"

"یقیناً وہ وہاں کا چودھری ہو گا۔"

مشتری بائی نے بتایا "وہ شاہ پور کا بہت بڑا زمیندار ہے۔ ادھر شہر میں اس کے دو کارخانے بھی ہیں۔"

شمسو دیتی کی زبانی مجھے معلوم ہوا تھا کہ اس سے چودھری نیاز علی کی حویلی کا پتا پوچھنے والے دونوں اجنبی بندے ملک نظام دین اور شاہ پور کا تذکرہ بھی دبی زبان میں کر رہے تھے۔ میں نے انہی باتوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہا "مشتری بائی' لگتا ہے کہ تم ملک نظام دین کے بارے میں بہت کچھ جانتی ہو؟"

"میرا تو پیشہ ہی ایسا ہے کہ اپنے گاہکوں کے بارے میں پوری جان کاری رکھنا پڑتی ہے" وہ اپنے مخصوص لہجے میں بولی۔

میں نے پوچھا "پھر تو تم جبرو اور رنگو نامی افراد کے بارے میں بھی ضرور جانتی ہو گی؟"

"اے' وہ مردود!" مشتری بائی ناک چڑھا کر بولی "وہ دونوں شیطان تو ملک نظام دین کے خاص چمچے ہیں۔ ایک نمبر کے بدمعاش اور لفنگے۔ ملک انہی کے بل بوتے پر تو اپنی دھاک قائم رکھے ہوئے ہے۔"

میں نے مشتری بائی کو یہ بتانا ضروری نہ سمجھا کہ رنگو اور جبرو وقوعہ کی شام مقتول چودھری کا پتا پوچھتے پھر رہے تھے۔ موجودہ حالات و واقعات کے پیش نظر مجھے ایک بات کا یقین ہو گیا تھا کہ چودھری کے قتل اور نازلی کی پُراسرار گمشدگی میں ملک نظام دین کا ہاتھ ہو سکتا تھا۔

میں نے مشتری بائی سے پوچھا "ملک نظام دین اب بھی تمہارے کوٹھے پر تو آتا ہو گا؟"

"وہ تو صرف نازلی کے لیے آتا تھا۔"

"تو کیا اب نہیں آتا؟"

وہ بولی "نازلی کے جانے پر جب اس نے ہنگامہ کیا تھا' اس روز کے بعد سے اس نے ادھر کا رخ بھی نہیں کیا۔ میں نے سنا ہے' آج کل وہ نیلم بائی انبالہ والی کے کوٹھے پر جا رہا ہے۔"

"گویا ان دس گیارہ ماہ میں تمہاری اس سے ملاقات نہیں ہوئی؟" میں نے استفسار کیا۔

"نہ ملاقات ہوئی اور نہ ہی اسے دیکھا؟"

نازلی کے حوالے سے ملک نظام دین' چودھری نیاز علی کا رقیب رہ چکا تھا لہٰذا اس بات کا قوی امکان تھا کہ چودھری کے قتل اور نازلی کے اغوا میں اسی کا ہاتھ ہو سکتا تھا۔ خاص طور پر جبرو اور رنگو کی چک بتیس میں آمد کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

میں نے مشتری بائی سے پوچھا "تم اتنا تو بتا سکتی ہو کہ ملک نظام دین سے کہاں بات ہو سکتی ہے؟"

"وہ عام طور پر اپنے گاؤں میں ہی رہتا ہے۔"

"یعنی شاہ پور میں؟"

"جی ہاں، وہیں۔"

تھوڑی دیر تک ہمارے درمیان چودھری نیاز علی، نازلی اور ملک نظام دین کے بارے میں مختلف نوعیت کی باتیں ہوتی رہیں۔ چودھری تو اب دوسری دنیا میں پہنچ چکا تھا، ملک نظام دین سے میں کسی وقت بھی شاہ پور جا کر مل سکتا تھا۔ مشتری بائی کو کھنگالنے کا واحد مقصد یہی تھا کہ اگر وہ نازلی کے بارے میں کچھ جانتی تھی تو مجھے معلوم ہو جائے لیکن دو گھنٹے کی گفتگو کے بعد میں نے اندازہ لگایا کہ وہ واقعی نازلی کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی۔ میری کرید کو دیکھتے ہوئے اس نے رضاکارانہ طور پر اپنے کوٹھے کا ایک ایک چپا ہمیں ملاحظہ کروایا۔ تاکہ ہمارا شک دور ہو سکے۔

اس روز شاہ پور جا کر ملک نظام دین سے ملنا ممکن نہیں تھا اس لیے ہم نے واپسی کا قصد کیا۔ ہم مشتری بائی کے کوٹھے سے رخصت ہونے لگے تو اس نے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔

"اگر نازلی کا کوئی سراغ مل جائے تو آپ مجھے ضرور بتایئے گا۔"

میں نے انکار یا اقرار میں جواب دینے کے بجائے کہا۔ "تم دعا کرو کہ وہ جلد از جلد ہمیں مل جائے۔"

سب انسپکٹر افضل شاہ نے مزید کہا "اور یہ بھی دعا کرنا کہ وہ ہمیں زندہ سلامت ملے۔"

مشتری بائی گھبراہٹ آمیز انداز میں زیر لب بدبدائی۔ یقیناً اس نے نازلی کی سلامتی کے لیے دعائیہ کلمات ادا کیے ہوں گے۔ ہم اس کے الفاظ پر دھیان دیے بغیر بالاخانے سے نیچے اتر آئے۔

○☆○

میرے تھانے کی حدود میں کوئی اخبار شائع نہیں ہوتا تھا، البتہ لاہور سے چھپنے والے اخبارات میں سے ایک دو کے نمائندے اس علاقے میں موجود تھے۔ ان دنوں لاہور سے نوائے وقت، ملت، احسان اور زمیندار وغیرہ شائع ہوا کرتے تھے۔ میں نے چودھری نیاز علی کی حویلی سے اس کی جو تصویر حاصل کی تھی اس میں سے نازلی کی تصویر پھاڑ کر فوٹو گرافر سے اس کی نئی کاپیاں تیار کروالیں۔ میں ایس پی علاقہ کو ہر دوسرے دن اپنی کارکردگی کی رپورٹ بھجواتا رہتا تھا۔ میں نے آس پاس کے علاقوں کے تھانوں کو نازلی کی تصویر بھیج کر اس کی تلاش میں مدد کی درخواست کی۔ اس کے علاوہ میں نے اخبار کے نمائندے کو بھی وہ تصویر دے دی تاکہ نازلی کی پُراسرار گمشدگی کی خبر شائع کر دی جائے۔ مجھے اپنی تفتیش میں اس سے خاطر خواہ فائدہ پہنچ سکتا تھا۔ اگر نازلی کا سراغ مل جاتا تو چودھری نیاز علی کے قاتل تک پہنچنا آسان ہو جاتا۔

دوسرے روز چھوٹا چودھری اکرم علی میرے پاس تھانے آیا۔ میں نے اسے بلا کر اپنے کمرے میں بٹھایا، وہ بولا "ملک صاحب! بھائی ریاض نے مجھے بتایا تھا کہ آپ مجھ سے ملنا چاہتے تھے۔ میں کل شام ہی لاہور سے واپس آیا ہوں۔"

میں نے کہا "ریاض علی نے تمہیں بتایا تو ہو گا کہ میں تمہیں کیوں ڈھونڈتا پھر رہا تھا؟"

"جی ہاں، انہوں نے موتی، شمسو اور رنگو وغیرہ کا ذکر کیا تھا۔"

"تم اس بارے میں کیا جانتے ہو؟"

"سچی بات تو یہ ہے ملک صاحب کہ شمسو نے بھائی صاحب کے قتل کے بعد دوسرے یا تیسرے روز مجھ سے بھی ان دو اجنبی افراد کا ذکر کیا تھا" اکرم علی ندامت آمیز لہجے میں بولا۔ "لیکن میں افراتفری اور پریشانی میں آپ کو بتا نہ سکا پھر بعد میں یہ بات میرے ذہن سے اتر گئی۔"

"ہاں، مصیبت اور پریشانی میں انسان کی یادداشت متاثر ہو جاتی ہے" میں نے تائیدی لہجے میں کہا پھر پوچھا "تم رنگو اور جبرو وغیرہ سے واقف ہو؟"

اس نے نفی میں جواب دیا۔ میں نے استفسار کیا "اور ملک نظام دین کے بارے میں کیا جانتے ہو؟"

"یہ نام میں نے سنا ہوا ہے" وہ اپنی یادداشت پر زور دیتے ہوئے بولا "یہ شخص شاہ پور کا زمیندار ہے۔"

میں نے کہا "رنگو اور جبرو ملک نظام دین کے دست و بازو ہیں۔"

"اوہ!" اس نے چونک کر میری جانب دیکھا پھر فکر آمیز لہجے میں بولا "کہیں بھائی صاحب کے قتل میں ملک نظام دین کا ہاتھ تو نہیں ہے؟"

"میں بھی اسی انداز میں سوچ رہا ہوں" میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا پھر بتایا "میں مشتری بائی سے بھی مل چکا ہوں۔ مجھے پتا چلا ہے کہ کسی زمانے میں ملک نظام دین بھی نازلی کی زلف کا اسیر تھا جب مشتری بائی نے نازلی کو تمہارے بھائی مقتول چودھری نیاز علی کے حوالے کیا تو ملک نظام دین نے مشتری بائی کے کوٹھے پر خاصی افراتفری مچائی تھی۔"

"میں ملک نظام دین کے بارے میں اتنی تفصیل نہیں جانتا تھا۔"

چودھری اکرم علی نے پہلو بدلتے ہوئے کہا "مجھے تو صرف یہی معلوم تھا کہ وہ ایک ٹھیک ٹھاک زمیں دار ہے۔ اس کے علاوہ اس کی شہرت اس حوالے سے علم میں تھی کہ اسے ریچھ اور کتوں کو لڑانے کا بے حد شوق ہے اور بس۔"

میں نے پوچھا "تم لاہور کس سلسلے میں گئے تھے؟"

"وہاں میرا ایک جگری یار رہتا ہے" اس نے جواب دیا۔ "دل بہت اداس تھا اس لیے اس سے ملنے چلا گیا تھا" اپنی بات پوری کرنے کے بعد اس نے مجھ سے سوال کیا "بھائی نازلی کے بارے میں کچھ معلوم ہوا؟"

"ابھی تک کچھ نہیں۔"

"مشتری بائی نے کیا کہا ہے؟"

"اس نے گزشتہ دس ماہ سے نازلی کی شکل نہیں دیکھی۔"

وہ بولا "مجھے پتا چلا ہے' آپ حویلی میں سے بھائی صاحب کی ایک تصویر بھی لے کر آئے ہیں۔ اس کا کیا کریں گے؟"

"سوچ رہا ہوں' اس کا کیا کروں؟" میں نے اسے ٹالنے کی کوشش کی۔

اس نے پوچھا "ملک نظام دین کے بارے میں آپ نے کیا فیصلہ کیا ہے؟"

"میں نے اپنے مخبروں کا جال پھیلا دیا ہے" میں نے جواب دیا "ملک نظام دین کی ذات شکوک و شبہات کی دبیز چادر میں لپٹی ہوئی ہے۔ میں سوچ سمجھ کر اس پر ہاتھ ڈالنا چاہتا ہوں تاکہ نشانہ خطا نہ جائے۔"

"آپ ایک ذہین اور تجربہ کار پولیس افسر ہیں" اس نے تعریفی انداز میں کہا "مجھے امید ہے' آپ کا نشانہ خطا نہیں جائے گا۔"

میں نے طویل سانس چھوڑتے ہوئے کہا "خدا تمہاری زبان مبارک کرے۔ میں جلد از جلد تمہارے بھائی کے قاتل کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"میں آپ کی کامیابی کے لیے دعا گو ہوں۔"

تھوڑی دیر کے بعد چودھری اکرم علی رخصت ہو گیا۔

اگلے دو روز تک میں شاہ پور کا رخ نہ کر سکا۔ میں ارادہ باندھتا اور توڑتا رہا اور اس کی سب سے بڑی وجہ بارش تھی جو لگاتار ہو رہی تھی۔ بارش کی وجہ سے سردی کی شدت میں بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ بہرحال تیسرے روز میں نے اے ایس آئی بزار حسین کو ساتھ لیا اور شاہ پور روانہ ہو گیا۔ میں یہ سوچ کر اور اس انتظام کے ساتھ تھانے سے نکلا تھا کہ اگر ضرورت پڑی تو میں پہلی فرصت میں ملک نظام دین کو گرفتار کراؤں گا لیکن ملک نظام دین سے ملاقات کے بعد معاملہ ہی الٹ گیا۔

ملک نظام دین نہایت ہی معقولیت کے ساتھ پیش آیا۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس نے کس طرح ہماری آؤ بھگت کی۔ جب میں نے اسے اپنی آمد کی غرض و غایت سے آگاہ کیا تو اس نے مسکرا کر بات ہی ختم کر دی۔

وہ بولا "جناب ملک صاحب! سات' آٹھ اور نو اکتوبر کو تو میں شاہ پور میں موجود ہی نہیں تھا۔۔۔ اور میرے نمک خوار جبو اور رنگو بھی میرے ساتھ ہی تھے۔ ہماری واپسی دس اکتوبر کو ہوئی تھی اور اسی روز مجھے چودھری نیاز علی کے قتل کی خبر ملی تھی۔ یقین جانیں' میرے کلیجے میں ٹھنڈ پڑ گئی تھی یہ خبر سن کے۔ مرنے والے کی برائی نہیں کرنا چاہیے لیکن چودھری نیاز نے نازلی کے حوالے سے میرے سینے میں جو گھاؤ لگایا تھا' وہ کبھی نہیں بھر سکے گا۔"

وہ ایک رقیب کی زبان میں بول رہا تھا اور رقیب بھی ایسا جس نے بری طرح شکست کھائی ہو۔ اس کی تشنہ کامی دہکتے ہوئے انگارے بن کر اس کے ہونٹوں سے جدا ہو رہی تھی۔ میں نے دل ہی دل میں کہا۔۔۔ اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں پھر ملک نظام دین سے پوچھا۔

"آپ نے یہ نہیں بتایا کہ سات' آٹھ اور نو اکتوبر کو آپ کہاں گئے ہوئے تھے؟"

وہ بولا "ہم جھوک ضامن میں تھے۔ وہاں کے چودھری نور زماں نے ہماری دعوت کی تھی۔ اس دعوت کا خصوصی آئٹم کتوں اور ریچھ کی خوں خوار لڑائی تھا۔"

پھر ملک نظام دین نے جھوک ضامن میں اپنی تین روزہ موجودگی کے کچھ ناقابلِ تردید ثبوت بھی مہیا کر دیے۔ مجھے یہ ماننا پڑا کہ ملک نظام دین رنگو اینڈ کمپنی کے ساتھ واقعی تین روز تک موضع جھوک ضامن میں رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی تمسو موچی میرے دماغ میں چکرانے لگا "تو کیا اس نے دانستہ جھوٹ بولا تھا؟" میرے ذہن میں ایک سوال نے سر اٹھایا اس کے ساتھ ہی ایک اور سوال ابھرا "آخر کیوں۔۔۔ اس میں اس کا کیا فائدہ تھا؟" میں مسلسل اسی کے بارے میں سوچنے لگا۔

شاہ پور سے روانہ ہونے سے پہلے میں فیصلہ کر چکا تھا کہ مجھے تمسو موچی کے ساتھ کیا سلوک کرنا تھا۔ ملک نظام دین

نے ہمیں بڑے تزک و احتشام کے ساتھ رخصت کیا۔

تھانے آکر میں نے ہیڈ کانسٹیبل کو اپنے کمرے میں بلالیا۔ اس کا نام رفیق چوہان تھا۔ میں نے کہا "چوہان جی! مجھے دو بندوں کی اشد ضرورت ہے۔"

"ملک صاحب! دو کیا' آپ حکم کریں۔ میں دو سو بندے پکڑ کے لے آتا ہوں۔"

رفیق چوہان چند جماعتیں پڑھا ہوا تھا۔ وہ کسی زمانے میں سپاہی بھرتی ہوا تھا اور ترقی کرتے ہوئے زندگی کے اس حصے میں ہیڈ کانسٹیبل کے عہدے تک پہنچا تھا۔ ویسے وہ بندہ بہت کام کا تھا۔

میں نے کہا "بندے پکڑ کرلانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

"تو پھر انہیں کوا (بلا) کرلانا ہے!"

"ایسا ہی سمجھ لو" میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا پھر اسے تفصیل بتادی۔ آخر میں' میں نے کہا "دونوں کا تعلق کسی دور دراز کے گاؤں سے ہونا چاہیے۔ تم میرا مطلب سمجھ رہے ہونا؟"

وہ اثبات میں سرہلاتے ہوئے بولا "بالکل سمجھ گیا جناب۔ ایک اونچا لمبا ہو' دوسرے کا قد چھوٹا اور بدن بھاری بھرکم ہو۔ وہ دونوں چہرے مہرے سے بدمعاش نظر آئیں۔ ہے نا یہی بات!" بات ختم کرکے اس نے تعریف طلب نظر سے مجھے دیکھا۔

میں نے دل کھول کر اس کی تعریف کی پھر پوچھا "تم ایسے دو بندوں کا انتظام کب تک کرسکتے ہو؟"

"کل تک بندوبست ہوجائے گا جناب!"

"شاباش!" میں نے کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا "اور ان بندوں کو اچھی طرح سمجھا دینا کہ انہیں تھوڑی بہت ایکٹنگ بھی کرنا پڑے گی۔ ان کا رول میں خود سمجھادوں گا انہیں۔"

"کون سی فلم کی شوٹنگ ہے جناب؟"

"حقیقی زندگی کی فلم۔"

"نا ملک صاحب! اگر واقعی کسی فلم میں ایکٹنگ کا معاملہ ہے تو مجھے موقع دیں" وہ خاصا سنجیدہ نظر آرہا تھا "لگتا ہے' میں تو یہ شوق دل میں لے کر ہی مرجاؤں گا۔"

میں نے اسے صورتِ حال کی سنگینی کا احساس دلایا تو وہ فوراً اٹینشن ہوگیا' پراعتماد لہجے میں بولا "آپ فکر نہ کریں' کل دوپہر سے پہلے آپ کے مطلوبہ دونوں بندے آپ کے سامنے حاضر ہوجائیں گے۔"

میں مطمئن ہوگیا۔ رفیق چوہان بہت باصلاحیت آدمی تھا۔

دوسرے روز میں نے ایک کانسٹیبل کو چاپ بتیں روانہ کیا تاکہ وہ شمسو موچی اور چودھری برادران کو بلالائے۔ میں نے کانسٹیبل کو ہدایت کردی تھی کہ وہ انہیں بتادے کہ میں نے چودھری نیاز علی کے قاتلوں کو گرفتار کرلیا ہے۔ رفیق چوہان نے حسب وعدہ دو ڈمی رنگو و جبرو مجھے مہیا کردیے تھے جو اس وقت تھانے کی حوالات میں بند تھے۔ میں نے انہیں ان کے حصے کا کردار اچھی طرح یاد کروادیا تھا۔

سہ پہر کے وقت چودھری ریاض علی شمسو موچی کے ساتھ تھانے پہنچ گیا اور اس نے آتے ہی سوال کیا "ملک صاحب! مجھے اطلاع ملی ہے کہ آپ نے بھائی صاحب کے قاتلوں کو گرفتار کرلیا ہے۔ کہاں ہیں وہ بدذات؟"

میں نے کہا "وہ دونوں اس وقت حوالات میں بند ہیں۔ شمسو کو میں نے ان کی شناخت کے لیے بلوایا ہے۔ انہوں نے شمسو ہی سے آپ کی حویلی کا راستہ پوچھا تھا۔"

"اچھا' تو آپ نے جبرو اور رنگو کو گرفتار کیا ہے؟"

"جی ہاں' بڑی مشکل سے ہاتھ آئے ہیں شیطان کی اولاد۔"

"کیا انہوں نے بھائی صاحب کے قتل کا اقبال کرلیا ہے؟" ریاض علی نے پوچھا۔

میں نے جواب دیا "اقبالِ جرم بھی کروالیں گے چودھری صاحب۔ پہلے ان کی شناخت تو ہوجائے" پھر میں نے ایک کانسٹیبل کو حکم دیا کہ وہ حوالدار سے کہے' وہ رنگو اور جبرو کو میرے سامنے حاضر کرے۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد فرضی رنگو اور جبرو میرے سامنے سر جھکائے کھڑے تھے۔ میں نے شمسو کو اشارہ کیا اور کہا کہ وہ بغور ان دونوں کو دیکھے اور پہچاننے کی کوشش کرے۔

شمسو نے کوئی کوشش کیے بغیر ہی فتویٰ صادر کردیا "تھانے دار صاحب! یہ وہی دونوں افراد ہیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ انہوں نے ہی مجھ سے چودھری صاحب کی حویلی کا پتا پوچھا تھا۔"

"کیا تم یہ بات پورے یقین سے کہہ رہے ہو؟"

"مجھے پکا یقین ہے سرکار!" وہ ڈھٹائی سے بولا "میری آنکھیں دھوکا نہیں کھاسکتیں۔ یہی رنگو اور جبرو ہیں جنہوں نے آٹھ اکتوبر کی شام مجھ سے۔۔۔"

میں نے ایک زناٹے دار تھپڑ شمسو موچی کے گال پر رسید کیا تو اس کا جملہ ادھورا ہی رہ گیا۔ میں نے گرج کر کہا۔

"حرام کے تخم! مجھ سے جھوٹ بولتا ہے؟"
کمرے میں ایک دم سناٹا چھا گیا۔ چودھری ریاض علی ہکا بکا مجھے دیکھ رہا تھا۔ شمسو موچی میرے قدموں میں گر کر معافی تلافی کرنے لگا۔ وہ بار بار مجھے یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس نے رنگو اور جبرو کو پہچاننے میں کوئی غلطی نہیں کی تھی۔

میں نے حوالدار کو حکم دیا کہ وہ شمسو موچی کو پکڑ کر حوالات میں بند کردے۔ حوالدار لپک کر آگے بڑھا اور شمسو کو تقریباً گھسیٹتے ہوئے کمرے سے باہر لے گیا۔ چودھری ریاض علی نے مجھ سے پوچھا۔

"یہ کیا ماجرا ہے ملک صاحب؟"

"میں شمسو سے پوچھ گچھ کے بعد تمہارے سوال کا جواب دوں گا۔" میں نے رکھائی سے کہا "آج کی رات یہ ہمارا مہمان رہے گا۔"

چودھری ریاض علی نے مجھے کریدنے کی بہت کوشش کی لیکن پھر مایوس ہو کر اپنے چک واپس لوٹ گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے شمسو موچی کو ٹرائل روم (پوچھ گچھ کا کمرا۔ بعض مجرم اسے عقوبت خانہ بھی کہتے ہیں۔ پولیس کی زبان میں اسے بنگلا یا ڈرائنگ روم بھی کہا جاتا ہے) میں طلب کر لیا اور اس پر "طبع آزمائی" کرنے لگا۔

وہ کچا مجرم تھا۔ آدھے گھنٹے کی "محنت" کے بعد ہی اس نے سب پتہ اگل دیا۔ اس نے اتنا بڑا جھوٹ چودھری اکرم علی کے حکم پر بولا تھا گویا اس نے ہمیں مس گائیڈ کرنے کی کوشش کی تھی۔ چودھری نے اس کام کے لیے شمسو کو ایک سو روپے "انعام" بھی دیا تھا۔

میں اسی وقت چک بتیس جانے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن جب شمسو نے مجھے بتایا کہ چودھری اکرم علی آج صبح سے لاہور گیا ہوا تھا تو میں نے اپنا ارادہ ملتوی کردیا۔ شمسو کو میں نے حوالدار کے حوالے کیا اور آرام کرنے اپنے سرکاری کوارٹر میں چلا گیا۔

اس وقت میرے ذہن میں بس ایک ہی سوال چکرا رہا تھا "چودھری اکرم علی میری تفتیش کی گاڑی کو غلط راستے پر ڈال کر کون سا فائدہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔ کیا وہ اپنے بڑے بھائی کے قتل میں ملوث تھا؟"

اس سوال کا جواب چودھری اکرم علی ہی دے سکتا تھا۔

○☆○

دوسری صبح میں چک بتیس جانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ ایک اہم اور سنسنی خیز اطلاع نے میرے قدموں میں زنجیر

ڈال دی۔ نازلی سے متعلق گم شدگی کی خبر اور اس کی تصویر کو شائع ہوئے چند روز گزر چکے تھے۔ ضلع ہیڈکوارٹرز سے ایک اہل کار نے آکر بتایا... کہ انہیں لاہور ضلع ہیڈکوارٹر والوں نے اطلاع دی تھی کہ نازلی محلہ کرشن نگر کے ایک گھر میں دیکھی گئی تھی۔ لاہور پولیس کے سادہ پوش اہلکار اس گھر کی مسلسل نگرانی کر رہے تھے۔

میں تذبذب کا شکار تھا کہ پہلے لاہور جاؤں یا چک بتیس کہ سب انسپکٹر افضل شاہ نے میری الجھن دور کر دی "ملک صاحب! آپ اطمینان سے چک بتیس جائیں۔ لاہور والے معاملے کو میں دیکھ لوں گا۔"

"شاہ جی، وہ معاملہ بڑا سنگین ہے۔ اچھی طرح سوچ لو!"

وہ سینہ پھلاتے ہوئے بولا "اچھی طرح سوچ سمجھ کر ہی بات کر رہا ہوں جناب۔ میں آپ کی توقعات سے بڑھ کر ثابت ہوں گا پھر وہاں لاہور پولیس بھی تو میری معاون ہو گی۔"

"وہ تو ٹھیک ہے مگر نازلی والا معاملہ بہت حساس ہے۔"

"میں اس حساس کیس کو بڑی نفاست سے ڈیل کروں گا۔" وہ پُراعتماد لہجے میں بولا "آپ بالکل مطمئن ہو کر چھوٹے چودھری کے پیچھے جائیں۔"

میں نے افضل شاہ کو دو ہوشیار قسم کے کانسٹیبلان جمیل احمد اور شرافت علی کے ساتھ لاہور روانہ کرنے کے بعد چک بتیس کا رخ کیا۔ حوالدار بہادر علی اور دو سپاہی میرے ساتھ تھے۔

حویلی میں مقتول چودھری کی بیوہ جمیلہ سے ملاقات ہوئی۔ اس نے بتایا کہ اکرم علی ابھی لاہور سے واپس نہیں آیا تھا اور ریاض علی اس وقت ڈیرے پر تھا۔ میں اپنی نفری کو لے کر سیدھا ڈیرے پر پہنچ گیا۔

چودھری ریاض علی نے ہمارا خیر مقدم کیا اور پوچھا "ملک صاحب، خیریت تو ہے۔ آج صبح ہی صبح..."

"اکرم علی کہاں ہے؟" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے سوال کیا۔

"وہ تو لاہور گیا ہوا ہے۔"

حوالدار بہادر علی نے کہا "لاہور میں اس کی کون سی بے بیٹھی ہوئی ہے۔ وہ وہاں کچھ زیادہ ہی نہیں جانے لگا؟"

چودھری نے ناگواری سے حوالدار کی طرف دیکھا اور مجھ سے پوچھا "ملک صاحب! شمو کو آپ نے ابھی تک چھوڑا نہیں؟"

"وہ تو اب سمجھو لمبا ہی گیا۔"

حوالدار نے اضافہ کیا "اور چودھری اکرم علی کی بھی خیر نہیں ہے۔"

"یہ سب کیا ہو رہا ہے ملک صاحب؟" ریاض علی کا لہجہ حیرت میں ڈوبا ہوا تھا۔

میں نے اس کے سوال کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا "میں تمہارے ڈیرے کی تلاشی لینے آیا ہوں۔"

"تلاشی!" اس پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے "تلاشی کی کیا ضرورت پیش آ گئی جناب؟"

میں نے کہا "تمہارے سوال کا جواب میں ضرورت پوری ہونے کے بعد دوں گا" ایک لمحے کے توقف سے میں نے پوچھا "کیا تمہیں کوئی اعتراض ہے؟"

وہ متامل لہجے میں بولا "نہیں جناب، مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

ہم اگلے ہی لمحے ڈیرے کا کونا کونا چھان رہے تھے۔ آدھے گھنٹے کی تلاش بسیار کے بعد صرف ایک ہی کام کی چیز ڈیرے سے برآمد ہو سکی اور وہ چیز بہت ہی زیادہ کام کی تھی جسے ایک کپڑے میں لپیٹ کی چھت کی کڑیوں میں چھپایا گیا تھا۔

وہ آٹھ انچ پھل والا ایک تیز دھار خنجر تھا۔

خنجر کے پھل پر دستے کے قریب خشک خون کے آثار بھی موجود تھے۔ خنجر کے پھل کی حالت سے اندازہ ہوتا تھا کہ اسے بہ عجلت کسی کپڑے سے رگڑ کر صاف کیا گیا تھا۔ میری نگاہ میں مقتول چودھری کی مسہری کی وہ چادر گھوم گئی جہاں مجھے کسی خون آلود چیز کے پونچھنے کے دھبے دکھائی دیے تھے۔

"یہ خنجر تمہارا ہے؟" میں نے وہ خنجر ریاض علی کی آنکھوں کے سامنے لہراتے ہوئے پوچھا۔

اس نے نفی میں جواب دیا۔ میں نے سخت لہجے میں کہا۔ "پھر یہ خنجر تمہارے چھوٹے بھائی اکرم علی کا ہو گا!"

"جناب، میں تو اسے پہلی مرتبہ دیکھ رہا ہوں۔"

"ہوں!" میں نے گمبھیر لہجے میں کہا "چودھری ریاض علی! شمو نے تفتیش کے دوران میں مجھے بتایا ہے کہ اس نے سو روپے کے عوض وہ جھوٹ بولا تھا یعنی رنگو اور جبو کی آمد کے بارے میں اطلاع دینے کا جھوٹ۔ تمہیں معلوم ہے، اس نے یہ غلط بیانی کس کے ایما پر کی تھی؟" ایک لمحے کو رک کر میں نے اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیا پھر کہا "ایسا کرنے کے لیے چودھری اکرم علی نے اسے پورے سو روپے انعام میں دیے تھے۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" وہ ایسے اچھلا جیسے کسی بچھو نے ڈنک مار دیا ہو "اکرم علی یہ حرکت کیسے کر سکتا ہے؟"

"ہماری تفتیش کو غلط رخ پر ڈالنے کے لیے!"
"مگر کیوں؟"
"وہ ہتھے چڑھ جائے تو تمہاری "کیوں" کا جواب بھی مل جائے گا۔"

وہ پریشانی سے اپنی پیشانی کو مسلنے لگا۔ میں نے کہا۔ "چودھری ریاض علی، مجھے شبہ ہے کہ اکرم علی، مقتول چودھری کے قتل میں ملوث ہے۔"

"یہ کیسے ممکن ہے جناب؟"

"اس دنیا میں سب کچھ ہوتا ہے پیارے!" میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔ چودھری ریاض علی مسلسل نفی میں سر ہلائے جا رہا تھا۔

ہم حویلی ہی میں رک کر سہ پہر تک اکرم علی کی واپسی کا انتظار کرتے رہے۔ وہ جب نہیں آیا تو میں نے حوالدار کو مع دونوں سپاہیوں کے وہیں چھوڑا اور خود تھانے آگیا۔ میں نے حوالدار کو ہدایت کردی تھی کہ جیسے ہی اکرم علی وہاں پہنچے، وہ فی الفور اسے گرفتار کرکے تھانے لے آئے۔

سب انسپکٹر افضل شاہ کی واپسی رات نو بجے کے قریب ہوئی۔ میں آرام کرنے کے لیے اپنے کوارٹر میں جا چکا تھا کہ ایک کانسٹیبل نے افضل شاہ کی آمد کی اطلاع دی۔ میں نے فوراً اپنی وردی پہنی اور تھانے آگیا۔

افضل شاہ سرخرو لوٹا تھا۔ اس کے ساتھ لاہور پولیس، تھانا کرشن نگر کا ایک اے ایس آئی اور دو سپاہی بھی تھے۔ نازلی اور زاہد نامی ایک شخص بھی ان کے ساتھ تھا۔ زاہد وہی شخص تھا جس کے گھر میں نازلی دیکھی گئی تھی۔ ان کے علاوہ سب سے اہم شخصیت چودھری اکرم علی کی تھی۔ چودھری اکرم علی، زاہد اور نازلی کے ہاتھوں میں ہتھکڑی لگی ہوئی تھی۔ میں نے اکرم علی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے افضل شاہ سے پوچھا۔

"یہ رستم خان تمہیں کہاں سے ملا؟"

"اسی گھر سے جہاں یہ چھمک چھلو چھپی بیٹھی تھی۔" افضل شاہ نے نازلی کی طرف اشارہ کیا "انہوں نے زاہد حسین کے گھر کو اپنا ڈیرا بنایا ہوا تھا۔"

میں نے حوالدار شیر خان کو بلالیا۔ اس کی رات کی ڈیوٹی تھی۔ وہ میرے کمرے میں آیا تو میں نے کہا "شیر خان! میں یہ "مہمان" تمہارے حوالے کر رہا ہوں۔ ان کی خاطر تواضع اور آرام کا خاص خیال رکھنا۔ میں صبح ان سے "ملاقات" کروں گا۔"

"آپ فکر ہی نہ کریں ملک صاحب!" وہ نازلی، زاہد اور اکرم علی کو کڑے تیوروں سے گھورتے ہوئے بولا "میں ان کی ایسی "مہمان داری" کروں گا کہ یہ ہاتھ لگا لگا کر یاد کریں گے۔"

پھر میں نے مختصر الفاظ میں شیر خان کو صورتِ احوال سے آگاہ کیا۔ وہ اس کیس کی ایک ایک بات سے واقف تھا۔ پوری بات سننے کے بعد وہ سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا "آپ اطمینان سے اپنے کوارٹر میں جاکر آرام کریں۔ صبح یہ تینوں بندے آپ کو بالکل تیار ملیں گے۔ کسی ٹیپ ریکارڈر کی طرح فرفر بولتے ہوئے۔"

میں مطمئن ہو کر اپنے کوارٹر میں آگیا۔

دوسری صبح جب میں تھانے پہنچا تو لاہور سے آنے

مولوی نیاز صاحب اپنا گھوڑا فروخت کرنا چاہتے تھے۔ خدا بخش اسے خریدنے پر تیار ہوگیا۔ مولوی صاحب بولے "لیکن ایک بات سن لو۔ میں نے اسے ذرا اپنے ہی انداز میں سدھایا ہے۔ اگر اس پر بیٹھ کر کہو "خدا کی پناہ!" تو یہ دوڑنے لگتا ہے اور اگر کہو "اللہ معاف کرے۔" تو رک جاتا ہے۔"

خدا بخش کو یقین نہ آیا۔ وہ آزمائشی طور پر گھوڑے پر بیٹھا اور بولا "خدا کی پناہ!"

گھوڑا آہستہ آہستہ دوڑنے لگا۔ خدا بخش نے ایک بار پھر کہا "خدا کی پناہ!"

گھوڑا طوفانی رفتار سے دوڑنے لگا۔ اچانک خدا بخش نے دیکھا وہ ایک ایسی چٹان کے کنارے پر پہنچ رہے تھے جس کے نیچے شور مچاتا دریا بہہ رہا تھا۔ اس کے اوسان خطا ہوگئے تاہم وہ بروقت چلا اٹھا "اللہ معاف کرے۔"

گھوڑا عین چٹان کے کنارے پر پہنچ چکا تھا مگر یہ الفاظ سنتے ہی ایک جھٹکے سے رک گیا۔

خدا بخش کے سینے سے بے اختیار ایک طویل سانس خارج ہوئی اور وہ پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے بولا "خدا کی پناہ!"

والے پولیس ایل کار واپس جا چکے تھے۔ حوالدار شیر خان نے رات بھر تینوں "مہمانوں" کو ایک پل کے لیے بھی سونے نہیں دیا تھا اور زبان کھلوانے کے آزمودہ کار ہتھکنڈے ان پر استعمال کرتا رہا تھا۔ نازلی زیادہ سختی برداشت نہیں کر سکی تھی۔ زاہد بھی چند لاتوں اور گھونسوں کو ہضم کرنے کے بعد منہ کھولنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ چودھری نے تھوڑی اڑی تڑی کی تھی لیکن جب اسے پتا چلا کہ شمسو موچی ہماری حراست میں ہے اور اس نے بھانڈا پھوڑ دیا ہے تو وہ زیادہ دیر تک حوالدار شیر خان کی ترکیبوں کے سامنے ثابت قدم نہ رہ سکا۔ ویسے بھی وہ کوئی عادی مجرم نہیں تھا کہ تادیر وہ پولیس کی "تفتیش" کے سامنے ٹھہر سکتا۔ اس نے سچ بولنے میں ہی عافیت جانی اور اقرارِ جرم کر لیا۔

اس روز چودھری نیاز علی اور نازلی نے اپنا جو اقبالی بیان ریکارڈ کرایا، میں اسے نہایت ہی مختصر الفاظ میں آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

نازلی کا تعلق جس "دنیا" سے تھا، وہاں عورت کا کسی ایک کی بن کر رہنا بعید از تصور سمجھا جاتا ہے۔ اکا دکا مثالوں کو چھوڑ کر۔ نازلی بوڑھے چودھری کی نوجوان بیوی بن کر حویلی میں پہنچی تھی لیکن چند روز بعد ہی اسے یہ زندگی بے کیف اور بور محسوس ہونے لگی۔ اس بوریت اور بے کیفی سے قطع نظر اسے چودھری کی حویلی میں دنیا جہان کا عیش و آرام میسر تھا چنانچہ وہ چودھری کو چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی پھر چودھری اسے ڈھائی ہزار میں خرید کر لایا تھا۔ وہ اس کی زر خرید تھی اس لیے ساری عمر اسے اب چودھری کے ساتھ ہی گزارنا تھی۔

دو ماہ کے بعد اسے احساس ہوا کہ چودھری اکرم علی اس میں دلچسپی لے رہا تھا۔ لامحالہ وہ بھی ادھر کھنچتی چلی گئی۔ تنہائی کی ایک دو ملاقاتوں کے بعد ہی ان دونوں کو محسوس ہوا کہ وہ ایک دوسرے کے لیے بنائے گئے تھے پھر ان کے درمیان انوکھی قسم کا عشق پروان چڑھنے لگا۔ کمال مہارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہوں نے حویلی کے مکینوں کو اپنے تعلقات کی ہوا بھی نہیں لگنے دی تھی۔

پھر ایک روز نازلی نے اکرم علی کو بتایا کہ چودھری نیاز کو ان کے خفیہ ملاقات پر شبہ ہو گیا ہے۔ اکرم علی نے فوراً تجویز پیش کی کہ وہ دونوں کہیں دور بھاگ جاتے ہیں۔ نازلی نے اس کی تجویز سے اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ چودھری دنیا کے آخری کنارے تک ان کا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ چند دنوں کی سوچ بچار کے بعد انہوں نے اپنے راستے کا کانٹا چننے کا ایک جامع منصوبہ بنایا۔ نازلی کی زبانی اکرم علی کو نیاز علی اور ملک انعام دین کی رقابت کا قصہ معلوم ہو چکا تھا۔ اس نے اسی آڑ میں بھائی کا کام تمام کر دیا۔ وقوعہ کی رات وہ مقتول چودھری کے بیڈ روم میں ہی چھپا ہوا تھا۔ جب نازلی نے نیاز علی کو بے تحاشا شراب پلا کر مدہوش کر دیا تو اکرم علی نے بڑی چابک دستی سے بھائی کی گردن پر خنجر چلا دیا۔ حویلی کا عقبی گیٹ اسی نے کھولا تھا جب کہ وہ دونوں حویلی کے عقبی سے باغ کی دیوار عبور کر کے فرار ہوئے تھے۔

وہ رات نازلی نے ڈیرے پر ہی گزاری تھی۔ دوسرے روز جب میں حویلی میں ضروری کارروائی نمٹا کر واپس تھانے چلا گیا تو وہ نازلی کو اپنے ایک دوست کے پاس لاہور میں محلہ کرشن نگر چھوڑ آیا۔ زاہد حسین، اکرم علی کا پرانا دوست تھا اور محلہ کرشن نگر میں اپنی بوڑھی نابینا والدہ کے ساتھ رہتا تھا۔ اپنی ماں کو اس نے یہی بتایا تھا کہ اس کا دوست اپنی بیوی کے ساتھ ان کے یہاں آیا ہے۔ اکرم علی دوسرے تیسرے دن لاہور کا چکر لگا لیتا تھا اس لیے بوڑھی عورت کو شک نہ ہو سکا۔ ادھر چک بتیس میں اکرم علی نے شمسو موچی کے ذریعے ہمیں گمراہ کرنے کی کوشش کی تاکہ ہم بے سمت راستے پر سر پٹختے ہوئے خجل خوار ہوتے رہیں۔ وہ اپنی سعی میں کافی حد تک کامیاب بھی رہا تھا۔

میرے استفسار پر اکرم علی نے اپنے مستقبل کے منصوبے کے بارے میں کوئی واضح بات نہیں بتائی تھی۔ اس نے بس یہی کہا تھا کہ جب چودھری نیاز علی کے قتل کا معاملہ ٹھنڈا پڑ جاتا تو پھر وہ آئندہ کے لیے لائحہ عمل تیار کرتے۔ بہرحال وہ نازلی کو دوبارہ حویلی میں لانے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن اس طرح کہ اس کی مظلومیت اور بے گناہی بھی مسلم ہو اور اکرم علی کی اپنی ذات بھی شک و شبہے سے بالاتر رہے لیکن۔

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔

نازلی شمع محفل تھی۔ چودھری نیاز علی نے اسے گھر کی زینت بنانے کی کوشش کی تھی لیکن اس کے جہان سوز حسن کی بھول بھلیوں میں کھو کر چودھری اکرم علی چراغ خانہ بن گیا تھا پھر اس چراغ کی بھڑکتی لو نے سب کچھ جلا کر خاکستر کر دیا۔ برسوں پہلے شاید ایسے ہی موقع کے لیے کسی شاعر نے یہ شعر کہا تھا۔

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

(تحریر: سام رشید)